ملکۂ سوات

جس میں ایک مظلوم خاتون کی شہادت کی داستان ہے

مصنف

روشن خان

ملکۂ سوات

جس میں ایک مظلوم خاتون کی شہادت کی داستان ہے

مصنف

روشن خان

یہ نقشہ پیمانے کے مطابق نہیں صرف مقامات کا نشاندہی اور سمتوں کا اشارہ مقصود ہے
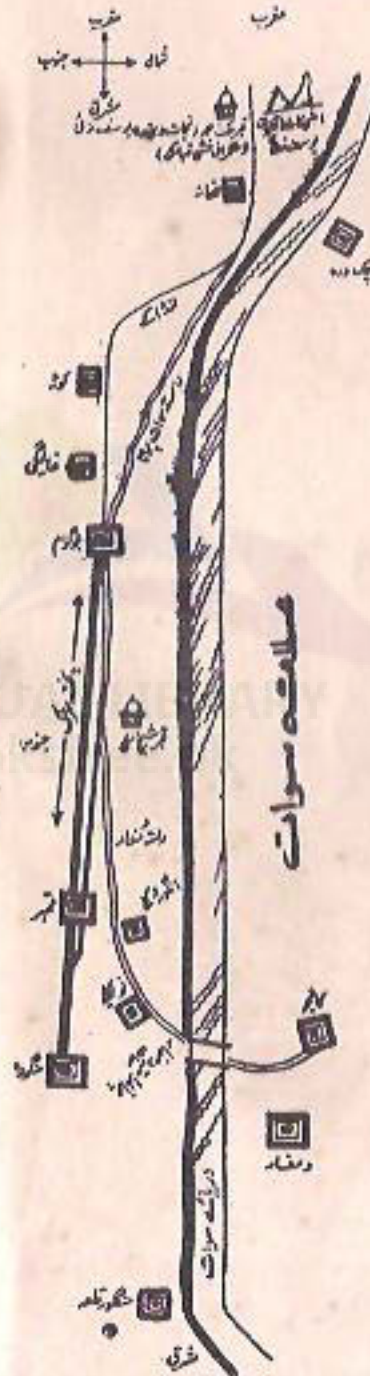
ضروری سمجھا کہ ایک مختصر نقشہ ملک احمد کی قبر سے لیکر منگلور تک درج کیا جائے۔ تاکہ تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کو تاریخی مقامات تک پہنچنے میں آسانی ہو۔

اس کے علاوہ ایک متبرک نشان عکس مُہر شیخ ملی ہے جس کا اصل راقم الحروف من روشن خان کے پاس موجود ہے۔

نام نیک رفتگاں ضائع مکن
تا بماند نام نیکت برقرار

(مُہر شیخ ملی)

کتاب

ملکۂ سوات

مصنف

روشن خان

اشاعت اول :... ۱۶ر اپریل ۱۹۸۳ء
تعداد اشاعت :... تین ہزار   قیمت : ۳ر روپے

ناشر

روشن خان، نواں کلی، تحصیل صوابی، ضلع مردان، پشاور

مطبع

کوثر پریس بنک روڈ مردان شہر

کتابت

حسن شاہ رستم کمر گئے

ملنے کا پتہ

روشن خان اینڈ کمپنی تمباکو ڈیلرز پھول چوک جونا مارکیٹ کراچی ۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ مصنّف

کچھ عرصہ سے میں افغان قوم پر تحقیق کے سلسلہ میں تاریخ مرتب کرنے اور ان کے گذشتہ حالات لکھنے پر کوشاں رہا ہوں۔ اور اس ضمن میں چند ایک کتب بھی شائع ہو چکی ہیں۔ جو عوام الناس اور خصوصی طور پر افغان قوم میں زیادہ مقبول ہوئی ہیں۔ اور مانگ کا سلسلہ جاری ہے۔ چونکہ تاریخ کا مقصد ماضی کے تمام انسانوں کے رہن سہن اُن کے مشاغل، اعتقادات، رسم و رواج اور قوموں کے عروج و زوال کے اسباب وغیرہ سے سبق لینا ہوتا ہے اس لئے میری نظر اُن افغان خواتین پر بھی پڑی جن کے کردار اور نقش پاکی سرگزشت افغان قوم میں جان ڈالنے کے مترادف ہے ان میں پہلی خاتون شہیدہ بی بی جو ملک احمد سربراہ مملکت یوسفزئی کی سگی بہن اور سلطان اویس ولد سلطان پکھل بادشاہ سوات کی بیگم تھیں۔ اور جن کا مقبرہ سوات منگلور میں ہے۔ دوسری مبارکہ بی بی بنت ملک شاہ منصور برادر ملک احمد جسکی شادی مغلیہ شہنشاہ بابر سے ہوئی، کے مختصر حالات پر اکتفا کیا کیونکہ یہاں پر میرا مقصد تاریخ مرتب کرنا نہیں۔ بلکہ افغان قوم کے نیک کردار اور اسلاف کی سرگزشت بیان کرنا مقصود ہے۔

مجھے امید ہے کہ پڑھنے والے اسے اپنے معاشرہ کی زندگی کی داستان سمجھیں گے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں گے۔

(روشن خان)

۱۴ر جمادی الثانی ۱۴۰۳ھ
مطابق ۳۰ر مارچ ۱۹۸۳ء

شهیده

دیوسفزو په خاوره اولنۍ پښتنه یوسفزۍ میرمن چه دیوسفزو د ستر قائد ملک احمد بابا سکه خور او د سوات د بادشاه سلطان اویس بیګم چه په "شهیده" مشهوره ده. د چا روضه چه دیوسفزو په تاریخي کلي منګلور (سوات) کښې د ویرې او خوږ په میټو کښې په سمسوره پټو کښې ده. څوک چه د یوسفزو د ویرې د خپل خاوند سلطان اویس د لاسه په چاړ ویه دے وجه شهیده کړے شوے وه. چله د یوسفزو تل راتلل سوات ته بند شوی څکه چه دیوسفزو دے بیبے ته تلو راتلو باداشاه اویس او د هغه مشران د بادشاهۍ په رنګولو نښکمن کړی وو. بادشاه د خپلو مشیرانو په صلاح ترې په ناحقه دابي بي شهیده کړه. او د ویر نفرت د ویجے نه ئے ورته په خپله شاهي مقبره کښې چه د کلي په میټو کښې وه ځائے ورنه کړو. اولے پا پټو کښ بیے خان له ښخه کړه. خو دنا حقے او ظلم دا سوک دیوسفزو د پاره د ترقۍ، عظمت او بادشاهۍ ورکو کړے شو. هم د د شهیدے وینے رنګ راوړو. د دے پاک امنه پیغلے آزار په بادشاه اویس تخت وارډو. او یوسفزو له یئے د ده د انتقام موقع په لاس ورکړه هم دا د بیګم کرامات وو چه کوم یو ګک په سمه یوسفزۍ څوک چه د مغل الغ بیګ د ظلم زورا وے نکلئ سپیره سپیره وهلی او لکه د سوبیر و د کابل نه راغلي وو. د زمکو، جایئدا د مالکان او بادشاهان شول. چه نن هم د پښتنو د تهولو نه لویه قبیله ده او په تحصیل هری پور، مردان، صوابۍ، چمله، خدوخیل، بونیر، سوات دیر او باجوړ په زمکه د مالکانو په هیڅ تړونه تیروی. دا د رنه د کلي په خلقو کښې په "شهیده" مشهوره ده.

محمد پرویش شاهین
وخیبرنے ټوبیږ منګلور (سوات)

پیش لفظ

فضل محمود منیجر سروس شوز سٹور
مینگورہ سوات

زیرِ نظر کتاب "ملکہ سوات" جو خان روشن خان کی تصنیف ہے۔ جس میں ایک مظلوم خاتون کی شہادت کی داستان ہے۔ سوات میں پہلی یوسف زئی خاتون ہے جس نے ملکِ سوات کے دروازے یوسفزئی کیلئے اپنے خون سے کھول دیئے۔ اور اس کے خونِ ناحق کے عوض اللہ نے اس کی قوم یوسفزئی کو سوات جیسا بہترین ملک عطا کیا جس پر وہ آج تک آباد اور خوش و خرم زندگی گزار رہے ہیں۔

اس موقع پر میں خان روشن خان کے کاوشوں اور تحقیق پر داد دیتا ہوں کہ انہوں نے اس تاریخی کتابچہ کے علاوہ اس کی قبر بنانے اور اس پر کتبہ لگانے کا بھی ارادہ ظاہر کیا ہے جو کہ قابلِ تحسین ہے۔

خان روشن خان نے علاقے کو بہت سی نئی چیزیں عطا کی ہیں ان میں سے ایک تاریخ کا تحفہ بھی ہے۔ تاریخ نویسی کے فن میں روشن خان قوم کے راہنما کی حیثیت رکھتے ہیں۔

(فضل محمود)

حقیقت حال

معلوم رہے کہ یوسفزئی مغلوں سے تنگ ہوکر جب کابل سے ہجرت کرکے پشاور پہنچے تو دلزاک اور سلطانِ سوات اُن سے بڑی ہمدردی سے پیش آئے۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد "مغل" اپنی اس خواہش و سازش میں کامیاب ہوئے۔ وہ یہ کہ یوسفزئی کے برخلاف قومِ دلزاک اور سلطانِ سوات کو بدگمان کئے۔ اور نیز کئے ہوئے حسن سلوک پر پشیمان کرکے اس بات پر اکسائے کہ وہ یوسفزئی سے اپنے دیئے ہوئے علاقے اور مراعات واپس کردیں۔ لہٰذا وہ یوسفزئی کے ساتھ بدسلوکی کرنے لگے۔ اور نازیبا حرکتیں شروع کیں اسی سبب سے آپس میں تعلقات خراب ہوئے حتیٰ کہ نوبت بہ جنگ رسید۔

مخفی نہ رہے کہ مذکورہ بدگمانی اور خونِ ناحق کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت نقصان کے باوجود ۹۱۰ھ ہجری سے لیکر ۹۱۶ھ ہجری تک تمام سوات پر یوسف زئی قابض ہوگئے۔ اور اُسے اپنی سلطنت میں شامل کرلیا جو آج تک ان کے قبضے و تصرف میں ہے۔ خصوصاً سلطان اویس کے دارالحکومت شہر منگلور میں یوسفزئی کی ذیلی شاخ بابوزئی کے چند خاندان جو داؤد خان بانیٔ سلطنت روہیلکھنڈ کے ہمنسب ہیں۔ اس وقت بھی بطورِ مالکانہ حیثیت قابضان و سکونت پذیر ہیں۔

مزارِ شریف ملکۂ سوات:۔ ملکۂ سوات جس نے شہیدہ کے نام سے شہرت پائی۔ تاریخ وفات [illegible]ھ ہجری ہے۔ وہ پرانے قلعہ منگلور جو آج کل ایک ڈیری (ٹیلہ) کی صورت میں موجود ہے اور اُسے آج کل "بنجر" اراضی (غیر ممکن ڈیری) کا نام دیا گیا ہے۔ کے شمال مشرقی حصے میں دفن ہے۔ سلطان اویس کے زمانہ میں قبر کا یہ مقام قلعہ کے اندر تھا۔ مگر اب قلعہ کی حدود ہموار زمین اور قابل کاشت ہے اور اب اس قبر کی تینوں طرف یعنی شمال، مغرب، جنوب میں مسمیان برادران دوا خان، رضا خان اور شاہین خان حقداد خیل کی اراضی مملوکہ واقع ہے۔ اور مشرق کی طرف عام راستہ ہے۔ قبر اور راستے سے مشرق کی طرف تھوڑے ہی فاصلہ پر ایک ندی بہتی ہے۔ یہ ندی یا نالہ مقام بنجوٹ اور گروتئی کے گرد و نواح سے نکل کر شمال کیطرف بہتی ہے۔ اور جب یہاں پہنچ کر تو شمال میں تھوڑے ہی فاصلہ پر ایک اور ندی جو منگوڑی زئی کے مشرقی پہاڑوں سے نکل کر آتی ہے اس کے ساتھ مل کر مغرب کیطرف رُخ کرکے دریا تک دونوں ندیاں ایک ہی ساتھ مل جاتی ہیں۔

واقع ہوکر دوسری ندی جو شہر منگلور کی حفاظت کیلئے تھی وہ شہر کے جنوبی حصے میں واقع تھی جو شل دَرہ کے پہاڑوں سے، جو بنجوٹ اور گروتئی کے متصل جنوب میں واقع ہیں۔ نکل کر مغرب کی طرف شاہیلی کے قریب بہتی ہوئی مقام سنگوٹہ کے جنوب کی طرف دریا میں مل جاتی تھی۔ جس میں اب بھی پانی بہتا ہے مگر پہلے سے ذرا کم۔

منگلور کی سابقہ حالت :۔ جس وقت یوسفزئی کابل سے جلاوطن ہو رہے تھے تو اس وقت سلطان پکھل سوات کا بادشاہ تھا۔ کہتے ہیں کہ اشنغر سے اوپر بگیاڑے، حصارِ مہلول، شیر خانئے، مورا نامی پہاڑ تک، تالاش، ٹوٹئی، سٹروبئی، سیوری، مالاکنڈ کی چوٹی تک اور سارا سوات اپنے توابع اور مضافات سمیت اور سارا بونیر سلطان پکھل کے زیرِ تصرف تھا۔ اور ہر جگہ اس کے حاکم تسقدار اور گماشتہ (محصل) متقرر تھے۔ تسلمانی اس کے حکم سے اشنغر میں بستے تھے۔ اور حاکم اشنغر حصار میں ہوتا تھا۔

سلطان پکھل خود منگلور کے قلعہ میں رہتا تھا۔ جو سلاطین سوات کا پایہ تخت تھا۔ یہ قلعہ سلاطین سوات کے عہد میں نہایت آباد تھا۔ اندر اور باہر رنگارنگ مکانات اور عجیب عجیب حویلیاں، اونچے اونچے قصر اور قلعے کے اندر عدیم المثال نہریں بہتی تھیں۔ بازار پُر رونق اور دکانیں سجی ہوئی تھیں۔ قلعے سے باہر مغرب کیطرف شاہی مقبرہ واقع تھا جو اب بھی محفوظ ہے۔

سوات کے تمام سلاطین، سلطان پکھل وغیرہ سلطان جہانگیر کی اولاد میں سے ہیں۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے کئی پشتوں تک سوات پر حکومت کی۔ اُن کا آخری سلطان، سلطان اویس تھا جسے یوسفزیوں نے متعدد عظیم لڑائیوں کے بعد وہاں سے بیدخل کر کے سوات پر متصرف ہو گئے۔

واضح رہے کہ کتابچہ ہذا "ملکۂ سوات" کی اکثر بنیادی واقعات کا ماخذ مؤرخ خواجو کی تصنیف "تواریخ افاغنہ" ہے جو ۱۰۳۳ھ میں اتمام

کو پہنچ گئی۔ جس کا دوسرا نام اب "تواریخ حافظ رحمت خانی" ہے۔ نیز دیگر مؤرخین کے بیانات سے مواد چن کر ایک تاریخچہ مرتب کیا ہے۔ قومی ضرورت تھی تاکہ اس سے عبرت حاصل ہو۔ اس ضرورت کی حقیقت اور فوائد "اقبال کی زبانی" بحوالہ ندائے افغان ملتان ملاحظہ کیجئے جو ذیل میں درج ہے :-

"کسی قوم کی تاریخ قصہ یا افسانہ نہیں ہوتی۔ یہ واقعات ہوتے ہیں جو تجھے اپنے آپ سے آگاہ کرتے ہیں۔ اور تجھے آشنائے کار اور مردِ راہ بناتے ہیں۔ تاریخ فرد کیلئے روح کی تابندگی اور قوم کیلئے اعصاب کی مانند ہے۔ تاریخ ایسا جان نگار اور دل پذیر ساز ہے۔ جس کے تاروں میں پرانے نغمے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ تاریخ کی شمع قوموں کی قسمت کا ایسا ستارہ ہے جو آج کی رات اور گذشتہ شب دونوں کو روشن رکھتا ہے اور احساس دلاتا ہے کہ تیرے سامنے مقصود کیا ہے۔ اور تو کیا کارنامے سرانجام دے سکتا ہے۔ تاریخ کا مطالعہ قوموں کو زندگی بخشتا ہے۔ ان کی مُردہ لوگوں میں زندگی کا خون دوڑاتا ہے۔ انہیں تحت الثریٰ سے اٹھا کر قعرِ ذلت سے نکال کر بامِ ثریا تک پہنچاتا ہے تاریخ ہی ہے جو ہمیں ہمارے آباؤ اجداد کے کارناموں سے آگاہ اور واقف کرتی ہے۔"

روشن خان

تاریخ ایک قومی ضرورت

تاریخ افکار سے پیدا ہوتی ہے ۔ کردار سے پرورش پاتی ہے ۔ پھر زندگی کی شاہراہوں میں اپنے نقش پا چھوڑ کر انسانوں کے حافظہ کی سرگذشت بن جاتی ہے ۔

تاریخ انسانوں کو آپس میں مل جل کر رہنے اور مہذب معاشرہ کی تعمیر، ماضی کی جستجو اور مطالعے کا نام ہے ۔ تاریخ کا مقصد ماضی کے تمام انسانوں کے رہن سہن، ان کے مشاغل، اعتقادات اور رسم و رواج اور قوموں کے عروج و زوال کے اسباب وغیرہ سے سبق لینا ہوتا ہے ۔

تاریخ فردِ واحد سے تعلق نہیں رکھتی ۔ بلکہ وہ پورے معاشرہ کی زندگی کی داستان سناتی ہے ۔ اگر وہ کسی فرد کے کارنامے بیان بھی کرتی ہے تو صرف اس لئے کہ وہ شخص معاشرہ ہی کا ایک فرد ہے ۔

تاریخ مرتب کرنا مؤرخ کا مخصوص کام ہو سکتا ہے ۔ لیکن تاریخ کے قالب میں جان ڈالنا اکیلے مؤرخ کے بس کی بات نہیں ۔ قوم افغان کو اپنی تاریخ سے لگاؤ نہ ہو تو وہ بے جان رہے گی ۔ اور اگر انہیں اس سے لگاؤ ہو تو وہ ویرانوں اور کھنڈروں کو پھر سے آباد کر دے گی ۔ اور تاریخ کی کتابوں میں زندگی کی لہر دوڑتی نظر آئے گی ۔ خواہ مؤرخ کی زبان خشک اور تخیل کمزور ہو ۔ تاریخ لکھنے سے زیادہ بڑا کام تاریخ کو بنانا ہے ۔ یہ کام ایک شخص انجام نہیں دے سکتا ۔ یہ کام جماعت کا ہوتا ہے ۔ مؤرخ دراصل تاریخ کو اپنی جماعت کی آنکھ سے دیکھتا اور پرکھتا ہے ۔ جماعت

کے ولولے ہی اس کی قوت کو ابھارتے اور اس کے جوہر کو چمکاتے ہیں ۔

اب قوم کو یہ احساس ہونا چاہیئے کہ وہ ایک عظیم قوم اور عظیم الشان ماضی اور تاریخ رکھتے ہیں ۔ اور آج وہ جو کچھ ہیں اس لئے ہیں کہ کل وہ ایک عظیم قوم تھے ۔ نیز یہ کہ انسان کی عملی زندگی کی مشکلات کا حل وعظ و نصیحت کے بجائے قومی تاریخ کے زیادہ علم اور صحیح واقفیت میں ہوتا ہے ۔

میں نے اپنی تالیفات میں افغان قوم کی یہ داستان اس امید پہ لکھی ہے کہ وہ اس کو پڑھیں گے اور اُسے اپنی تاریخ سمجھیں گے اس میں جو حالات بیان کئے گئے ہیں ان کو اپنی زندگی کے حالات جان کر اُن پر غور کریں گے ۔ اس میں جو رائے ظاہر کی گئی ہے ۔ اُسے جانچیں گے ۔ اس سے فائدہ اٹھائیں گے ۔ اور اس طرح وہ ایک عملی تاریخ مرتب کریں گے جو کسی کتاب میں بند نہیں ہوگی ۔ بلکہ زندگی کی طرح پھیلی ہوئی اور آزاد ہوگی ۔ جس کی تصویر ہزاروں رنگوں کے ملنے سے بنے گی ۔ اور جس کی داستان ہزاروں کہانیوں کے ایک مجموعے کا نام ہوگی ۔

میں یہ ذمہ داری اس جذبے کے تحت اپنے سر لینے پر آمادہ ہوا ہوں کہ انسان صرف اپنے والدین کا فرزند ہی نہیں ہوتا ۔ بلکہ وہ اپنی قوم کا وارث بھی ہوتا ہے ۔ اور قوم کی وراثت کے ساتھ اُس پر کچھ ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں ۔ والسلام ۔

(روشن خان)

ملکۂ سوات

جس نے شہیدہ بی بی کے نام سے شہرت پائی۔ سوات کے بادشاہ سلطان اویس کی بیوی اور ملک احمد کی سگی بہن تھی جسے ناحق شہید کر دیا گیا تھا۔ غفراللہ لہا

القصہ یہ کہ جب یوسفزئی کی آبادی مورا نامی پہاڑ تک پہنچ گئی۔ تو سلطان اویس سوات کے بادشاہ کو یہ بات ناگوار گذری۔ وہ اُن سے رنجیدہ اور خائف ہوا۔ اور اپنے امیروں اور سرداروں سے کہا کہ یوسفزئی کا اتنے قریب تک آجانا اچھا نہیں ہے۔ یہ سوات کے زوال کا پیش خیمہ ہے۔ سوات سے اس قدر قریب آباد ہونے سے ان کی غرض سوات پر قبضہ کرنا ہے۔ اس امر کی فکر کرنی چاہیئے۔ امیروں نے کہا کہ آپ اپنی بیوی کو جو ملک احمد کی ہمشیرہ ہے قتل کر دیں تاکہ یوسفزئی کی آمد و رفت یہاں سے منقطع ہو جائے اور اُن تک ہمارے حالات کی خبریں نہ پہنچ سکیں۔ سلطان اویس نے اپنے امیروں کے مشورے سے اپنی بیوی کو نہایت بربریت کے ساتھ چھریاں مار مار کر ہلاک کر دیا۔ اور منگلور میں دفن کر دیا۔

کہتے ہیں کہ وہ پارسا اور نہایت صالح عورت تھی۔ ملک احمد اور دوسرے یوسفزیوں نے جب یہ بات سنی۔ تو سلطان اویس کا یہ ظلم ناروا اُن پر سخت گراں گزرا مگر چونکہ ملک احمد نہایت زیرک

صاحب عقل اور دانا شخص تھے۔ انہوں نے صبر و تحمل سے کام لیا اور بطور تعزیت رسم کے مطابق ایک سو عدد گائے بیل سلطان کے پاس بھیجے۔ اور کہلا بھیجا کہ یہ حکم الٰہی تھا جس سے کوئی چارہ نہ تھا۔ اگر آپ کو ہم سے ناطہ پسند ہو تو دوسرا رشتہ بھی حاضر ہے۔ اور اگر اجازت ہو تو میں خود بھی آپ کے یہاں فاتحہ کیلئے آؤں۔ سلطان اویس نے ملک احمد کے قاصد کی زبانی یہ پیغام بھیجا کہ جو مقدر میں تھا وہ ہوگیا۔ اگر آپ کی مرضی یہاں آنے کی ہو تو ضرور آئیں۔ چنانچہ ملک احمد بیس آدمیوں کو لیکر اپنی ہمشیرہ کی تعزیت کیلئے گیاڑے سے منگلور کیلئے روانہ ہوگیا۔ کاٹلنگ سے گیارہ ۹ میل کے فاصلے پر مغرب کیطرف تھا۔

منگلور سوات کا ایک بڑا شہر ہے۔ یہاں ایک بڑا اور مضبوط قلعہ ہے۔ یہ مقام سلاطین جہانگیری کا پایہ تخت ہے۔

قلعے میں تمام سلاطین اور بعض جہانگیری امیروں کے عجیب اور رنگین محلات و قصور تھے۔ قلعے کے چاروں طرف شہر آباد تھا۔ جس میں بڑے بڑے بازار تھے۔ جب یوسفزئی نے سوات فتح کر لیا۔ تو شہر کو ویران کر دیا۔ مگر قلعہ اور قصور و محلات جو پختہ اور سنگین تھے سب کے سب سنہ ۱۰۳۲ ہجری میں قائم اور ایستادہ تھے۔

منگلور کا یہ شہر اور قلعہ سوات کے آخری سرے پر مشرق کی جانب پہاڑ کے دامن میں دو ندیوں کے درمیان واقع ہے۔ یہ دونوں ندیاں تخمیناً چھ میل آگے جاکر دریائے سوات میں گر جاتی ہے۔

سلاطین جہانگیر، سلطان جہانگیر کی اولاد ہیں۔ جو اسی کیطرف

منسوب ہیں۔

یہ بھی مخفی نہ رہے کہ سلطان اویس کی بیوی جسے ناحق شہید کردیا گیا تھا۔ ملک احمد کی سگی بہن تھی۔ اور سلطان اویس کے ساتھ نسبت بوجہ محض یہ تھی کہ جس وقت یوسفزئی لوگ خوار و خستہ حال کابل سے دوآبہ میں آکر آباد ہوئے تھے۔ تو پریشان حالی اور تنگدستی کے سبب مختلف اشیاء گڑ و چٹائی وغیرہ سوات لیجایا کرتے تھے اور فروخت کرکے گزر اوقات کرتے۔ اس آمد و رفت میں سلطان اور ملک احمد کا غائبانہ تعارف ہوگیا۔ تعارف نے دوستی کی شکل اختیار کرلی۔ سلطان کو معلوم ہوا کہ ملک احمد کی کنواری بہن گھر میں موجود ہے۔ تو اس نے نکاح کی آرزو ظاہر کی۔ ہر چونکہ سوات کا بادشاہ تھا۔ اور ملک احمد اور اس کی قوم اس وقت سلطان سوات کے محتاج تھے۔ اس لئے ملک احمد نے اپنی ہمشیرہ کا عقد اس سے کردیا سلطان نے اپنے خاص اور معتمد امراء کو عروسی کے وقت بھیجا۔ وہ دلہن کو دوآبے سے لے آئے۔

یہ بات بھی پوشیدہ نہ رہے کہ جب یوسفزئی نے ملک سمہ کو اپنے تصرف میں لے آئے اور اس میں آباد ہوئے تو سلطان اویس ان کے اس قرب اور پڑوس سے خوف زدہ ہوا۔ اور سمجھا کہ یہ لوگ اسی طرح آہستہ آہستہ آگے بڑھتے رہیں گے۔ اور ایک دن سوات کو بھی ہڑپ کرلیں گے۔ اس لئے اس اندیشے کے پیش نظر وہ سوات کی حفاظت اور یوسفزیوں کو وہاں سمہ سے نکلوانے میں لگ گیا۔

چنانچہ اس کے ایک مشہور امیر میر ہندا نے مورا نامی پہاڑ کی چوٹی پر چوکی بنائی۔ اور شاہ اویس اور فرخ زاد نے بھی جو اس کے نامور امیر تھے۔ مالاکنڈ کی چوکی پر چوکیاں بنائیں۔

الغرض سلطان اویس کو ملک احمد کی آمد کا حال معلوم ہوا کہ وہ اپنی ہمشیرہ کی تعزیت اور فاتحہ کیلئے روانہ ہوگیا۔ تو وہ منگلور سے تھانے آگیا۔ سلاطین سوات کا یہی دستور تھا کہ جب کبھی کوئی مہم پیش آتی تو منگلور سے تھانے آجاتے۔ وہاں اپنے اعیان اور سرداروں کو بلا کر جرگہ اور صلاح و مشورہ کرتے تھے۔ تھانہ (اتانڑہ) سوات کا ایک مشہور موضع ہے۔ جو منگلور سے آدھے دن کی مسافت پر مغرب کی سمت میں واقع ہے۔ یہاں شروع میں بہت بڑی اور زبردست آبادی رہی ہے۔ اور اس وقت بھی (یعنی ۱۰۳۳ھ مطابق ۱۶۲۳ء میں) بابوزئی لوگ آباد تھے۔ جو اکوزئی کی ایک ذیلی شاخ ہے۔

الغرض جب ملک احمد تھانے کے قریب پہنچ گیا۔ تو سلطان نے اپنے آدمیوں کو اس کے استقبال کیلئے بھیجا اور حکم دیا کہ ملک احمد کو تھانے کے متصل کسی مقام پر اتاریں سلطان کے آدمیوں نے اس کے حکم کے مطابق دو تین تیروں کے فاصلے پر اس جگہ جسے اسوقت "بختی ڈیرے" کہتے ہیں۔ جائے اقامت دے دی۔ بختی میرجان شاہ "تاجو خیل ابا خیل صدوزئی منڈر کے بیٹے کا نام تھا۔ جو پہلے وقتوں میں یہاں آباد ہوا تھا۔ بعد میں یہ موضع اس کے

نام پر موسوم ہوگیا۔ اس وقت سے آج تک اُسے بختی ڈیرئے
کہتے ہیں۔ یہ ایک ناہموار جگہ ہے۔ آج کل یہاں بلندی پر ایک مسجد
آباد ہے۔

الغرض ملک احمد وہاں اقامت پذیر ہوا۔ تو سلطان کے قاصد
نے جاکر ملک احمد کو ایک خدمتگار کے ساتھ تھانہ گاؤں میں مدعو
کیا۔ ملک احمد نے سلطان کو آداب بجالایا۔ تعزیت کی اور فاتحہ پڑھ کر
بختی ڈیرئ کو لوٹ آیا۔ دوسرے دن پھر حاضری کا موقع دیا۔
ملک احمد ابھی سلطان کے پاس سے واپس نہ آیا تھا کہ میر ہندا ملک احمد
کی قیام گاہ پر آیا۔ ملک احمد کے آدمیوں نے اُٹھ کر اس کی تعظیم
کی۔ مگر وہ غصے سے بھرا ہوا تھا۔ بیٹھ کر اپنے آدمیوں سے اشتعال انگیز
باتیں کرنے لگا۔

میر ہندا نے ملک احمد کے ساتھیوں سے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ
تم یوسف زئی لوگ سوات پر قبضہ کرنے کے خیال میں ہو ایسا بھی
کوئی تم میں جوانمرد ہے۔ جو میرے مقابلے میں آجائے۔ ملک احمد
کے آدمیوں نے محض ملک احمد کے پاس خاطر سے کوئی جواب نہ دیا۔
مگر وہ برابر اسی طرح لاف زنی کرتا رہا۔ اور غصہ لحظہ بہ لحظہ تیز ہوتا گیا۔
اگرچہ یوسف زئی اس بات سے انکاری رہے۔ اور اس کی تعریفیں
کرتے رہے۔ لیکن اس کا غصہ ٹھنڈا نہ ہوا۔

آخر یوسف زئی کے ایک بہادر اور جوان مرد کریم داد بن عثمان
بن الیاس ابازئی اکوزئی سے ضبط نہ ہو سکا۔ میر ہندا سے کہنے لگا۔ کہ ہم

تو سوات کا خیال دل میں نہیں رکھتے اور جیسا کہ تم کہتے ہو کہ اگر
یوسف زئی یہاں آئے تو یہ کردوں گا اور وہ کردوں گا۔ تو اس کا فیصلہ
تم ابھی کر سکتے ہو۔ میں ایک عام یوسف زئی ہوں۔ میں اسی وقت
تمہارے مقابلے کیلئے تیار ہوں۔" اس پر دوسرے ساتھیوں نے کریم داد
کو غصے سے کہا کہ تم خاموش رہو یہ جو کچھ کہنا چاہے کہے۔ اس پر
میر ہندا اور غضبناک ہوا۔ اور اُسے گالیاں دیں کہا۔ "کتے گوجر!
تمہاری یہ جرات، تم میرے مقابلے پر آؤ گے،" میر ہندا کے نوکر بھی ہر طرف
سے اس پر ٹوٹ پڑے مگر میر ہندا نے انہیں منع کیا کہ بادشاہ برا
مان جائیگا۔

میر ہندا ابھی یہیں موجود تھا کہ ملک احمد کے ساتھیوں کے لئے
بادشاہ کی طرف سے موضع تھانہ سے خوان آگیا۔ لانے والے خدمت
گاروں نے از روئے ادب میر ہندا کے روبرو خوان رکھدیا۔ اس
نے ہاتھ بڑھا کر چند لقمے لے لئے اور پھر حکم دیا کہ یہ چاول زمین پر
گرادو۔ خدمتگاروں نے چاول کو باہر صحن میں پھینک دیئے۔
میر ہندا اُٹھ کر چلا گیا۔ اُس کے جانے کے بعد ملک احمد کے ساتھیوں
نے اُٹھ کر چاول اپنے اپنے دامن میں بھرلئے۔ اور شوق سے
کھالئے۔ انہوں نے اس بات کو نیک فالی پر محمول کیا کہ میر ہندا
نے تکبر اور غرور کر کے سوات کے چاول زمین پر گرادیئے اور ہم
نے اکٹھے کر لئے۔ انشاءاللہ تعالیٰ اسی طرح ان کے ہاتھ سے
نکل کر ہمارے قبضے میں آئیگا۔ کیونکہ انہوں نے اپنا کا سر خود زمین

پر انڈیل دیا۔

یہ لوگ ابھی باتیں کر رہے تھے۔ اور چاول کھا ہی رہے تھے کہ ملک احمد سلطان اویس سے روانگی کی اجازت لیکر اپنے ڈیرے میں آپہنچا اور دریافت کیا کہ کیا ہے؟ لوگوں نے حقیقتِ حال بیان کی۔ ملک احمد نے کہا کہ حقیقت معلوم ہوگئی۔ چلو اب گھر چلیں خدا ہمیں ضرور سوات دے گا۔ چنانچہ سب لوگ دست بدعا ہوکر اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوگئے۔

سوات سے آنے کے بعد ملک احمد نے یوسفزئی کے بڑے بڑے سرداروں اور مشیروں کو جمع کرکے ان سے مشورہ کیا اور انہیں بتایا کہ سوات کے راستوں کی حقیقت ہمیں معلوم ہوگئی اور سلطان کے حالات کا علم بھی ہوگیا۔ تاخیر و تعطل کے بغیر لشکر کو اکٹھا کرو۔ اور سوات پر چڑھائی کردو۔ اللہ ہمیں سوات دیدے گا۔ ملک احمد نے قوم کو یہ بھی کہا کہ دلزاک سے تعرض نہ کرنا۔ اب تم سوات کی طرف متوجہ ہوجاؤ۔ اگر سوات پر قبضہ کرلیا۔ تو سمجھو کہ ہم نے مغل اور دلزاک دونوں سے چھٹکارا پالیا۔

کہتے ہیں کہ سوات پر چڑھائی اور قبضہ کرنے کا فیصلہ ملک احمد شیخ ملی، ملک قرہ، محمود بن یحییٰ علاؤالدین زئی خواجہ زئی اکوزئی۔ اور یوسف زئی کے دوسرے سرداروں نے متفقہ طور پر کیا تھا اور اس مہم میں کامیابی کے لئے دعا مانگی تھی۔ اور اس وقت کے اپنے مشائخ سے بھی دعا کرا کے ہر کوئی لشکر کی تیاری اور جنگ

کے سازوسامان میں لگ گیا۔

چنانچہ دوآبہ سے لیکر مورا نامی پہاڑ تک کے تمام علاقوں سے لشکر بلایا اور مورا کے دامن میں ڈیرہ ڈال دیا۔ مورا کی چوٹی پر میر ہندا کی چوکی بیٹھی تھی۔ اور مالاکنڈ کی چوٹی پر شاہ اویس اور فرخ زاد کی چوکیاں بھی قائم تھیں۔ یہ تینوں امیر کبیر تھے۔

یوسف زیوں نے کئی بار مورا کی چوٹی پر حملہ بول دیا۔ مگر چوکی بہت محکم اور چوٹی سخت ناہموار تھی اور بلند بھی۔ اور راستے میں دشوار گزار گھاٹیاں تھیں جس کی وجہ سے کامیاب نہ ہوسکے۔ کم و بیش دو ماہ تک اسی جگہ ڈیرے ڈالے رہے۔ آخر کار اس راستے سے ناامید ہوکر مالاکنڈ کی چوٹی کیلئے جاسوس بھیجے۔ جاسوسوں نے آکر اطلاع دی کہ وہ لوگ غافل اور بے خبر ہیں۔ اور راستہ بھی ہے۔ اس پر چڑھائی اور قبضہ آسان ہے۔

اس اطلاع پر ملک احمد، شیخ ملی، ملک قرہ اور محمود بن یحییٰ نے حکم دیا کہ رات کے پہلے پہر میں مالاکنڈ کی چوٹی پر دھاوا بولو اور کئی آدمی ڈیرے میں چھوڑ دو۔ جو جابجا ڈیروں میں آگ جلاتے رہیں۔ تاکہ مورا کی چوکی والے یہ سمجھیں کہ یوسفزئی لشکر یہاں مقیم ہے۔

چنانچہ کچھ لوگ ڈیروں میں رہ گئے۔ جو آگ جلاتے رہے۔ باقی لشکر نے کوچ کرنا شروع کردیا۔ ساری رات چلتے رہے تاکہ صبح کے وقت مالاکنڈ کی چوٹی کو سر کرلیا۔ شاہ اویس اور اس کی چوکی خواب غفلت میں محو تھے۔ لشکر نے چڑھ کر چوکی والوں کو قتل کردیا۔ اور

شاہ ادیس اور فرخ زاد دونوں بھاگ کر موضع تھانہ میں پہنچ گئے۔ میر ہندا کو بھی خبر پہنچ گئی کہ یوسف زئی نے مالاکنڈ کی چوٹی سر کرلی ہے اور ادھر آرہے ہیں۔ اس لئے وہ بھی وہاں سے بھاگ کر اپنے گھر تھانہ آگیا۔ اور تھانے کی حفاظت میں لگ گیا۔

یوسف زیوں نے جب مالاکنڈ کی چوٹی سر کرلی تو چھ سات میل (دو کروہ) آگے جاکر ڈاگ میں ڈیرے ڈال دیئے۔ اس مقام کو آس پاس کے کثرت دیہات اور مرکز کے سبب خار کہتے ہیں۔ یہ ہموار میدان ہے اور ساتھ ہی دریا بہتا ہے۔

سلطان اور سوات کی رعایا کو جب خبر پہنچ گئی۔ تو نہایت ہراساں ہوگئے۔ اور کہنے لگے کہ بلا، سوات میں گھس آئی۔ اب اس کا دفعیہ مشکل ہوگیا۔ اس کے بعد سلطان اپنے جملہ اُمراء اور رعایا کے ساتھ موضع تھانہ (نانڑہ) میں مقیم ہوگیا۔ اور نانڑہ "خار" سے (جہاں یوسف زئی کا لشکر اقامت گزین تھا) تخمیناً تین میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ خار کی آب و ہوا بہت اچھی اور علاقہ ہموار ہے۔ اور سوات کا ایک تہائی حصہ اس سے تعلق رکھتا ہے۔

الغرض جب یوسف زئی مالاکنڈ چوکی کو سر کرکے نیچے اتر گئے تو مالاکنڈ کی چوٹی کے نیچے "ملکوت" نام کا ایک سنگین قلعہ تھا جس میں چوکی والے سامانِ رسد کا ذخیرہ رکھتے تھے۔ اور کھانے پکانے کیلئے آتے جاتے رہتے تھے۔ یوسفزیوں نے اسے غارت کردیا۔ یہاں سے بہت سامال و اسباب ان کے ہاتھ لگا۔ یوسفزئی اسی طرح آگے بڑھتے

رہے۔ اور سواتیوں کے دیہات کو تباہ کرتے رہے۔ البتہ جو کوئی آکر اطاعت قبول کرلیتا تھا اُسے امان دیدیتے تھے۔

کہتے ہیں کہ جب یوسف زئی نے "خار" پر قبضہ کرلیا تو گویا تہائی سوات ان کے تصرف میں آگیا۔ اس لئے دوسرے یوسفزئی پیچھے سے اپنے اثاثے لیکر اور مقبوضہ حصہ سوات میں آباد ہوجاتے تھے۔ اور سوات کی رعایا کو تسلی و تشفی دیتے تھے۔ جس کی وجہ سے لوگ واپس آکر اپنے اپنے گھروں میں آباد ہونے لگے۔ اسطرح سے ہر گاؤں میں چند گھر یوسفزئی کے ہوگئے۔ باقی سوات کے لوگ بستے تھے۔ یہ بہار کا موسم تھا۔ یوسف زئی سواتیوں کی چیزیں کھاتے تھے۔ اور فصلوں میں گھوڑے چراتے تھے۔ سارا لشکر اللہ ڈنڈ اور شینکر گاؤں میں پڑاؤ ڈالا ہوا تھا۔ سلطان اس وقت تھانے میں مقیم تھا اور جنگ کی تیاری کررہا تھا۔ جب یوسفزیوں نے اپنے گھوڑوں کو تازہ دم کرلیا تو لشکر جنگ کے ارادے سے کوچ کرتا ہوا تھانے کے قریب پہنچ گیا۔ اس طرف سے سلطان بھی اپنے لشکر کے ساتھ نکل کر تھانے سے ڈیڑھ میل آگے بڑھ آیا۔ دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا۔ جنگ میں سلطان کے لشکر کو شکست ہوئی یوسف زئی ان کا تعاقب کرتے ہوئے تھانے سے مشرق کی جانب بارہ میل آگے دریا کے قریب ترہنگ (یا تیرنگ) نامی گاؤں تک چلے گئے۔ اور سلطان کا لشکر نہایت خراب و خستہ حال میں ترہنگ میں داخل ہوئے۔ راستے میں بہت سے لوگ قتل ہوئے۔ مال و اسباب غارت ہوگیا ترہنگ سے یوسفزئی لوٹ کر پھر تھانے میں آکر مقیم ہوگئے۔

کہتے ہیں کہ اس جنگ میں جب سلطان نے شکست کھائی تو اس کے لشکر نے راہ فرار اختیار کی۔ یوسفزئی کا لشکر ان کا پیچھا کرتا رہا۔ سلطان پر ایسی ہیبت طاری ہوئی۔ کہ وہ صحیح راستہ کھو کر غلط راستے پر جا پڑا اور لنڈاکی میں جو تریہنگ گاؤں کے بالمقابل دریا کے اس پار ہے۔ لشکر سے جدا ہو کر تریہنگ چلا گیا۔ وہاں سے "سوئی گلی" کی چوٹی کے راستے دمغار ہوتا ہوا منگلور پہنچ گیا۔

سلطان جب لنڈاکی میں راستہ کھو گیا۔ خوف اور پریشان حالی میں شمال کی طرف دریا پار کر ملک حسن متراوی کے گاؤں میں داخل ہو گیا۔ ملک حسن متراوی اس کا دشمن تھا۔ علاقہ بھی اس کا الگ تھا اور ہمیشہ سے سلطان کا مخالف تھا۔ اس لئے سلطان بہت سراسیمہ ہوا۔ کہ ایک بلا سے جان چھوٹی تو دوسری مصیبت میں پھنس گیا۔

واضح ہو کہ متراوی سواتیوں میں ایک بہت بڑا قبیلہ ہے۔ یہ لوگ اصل اور شجاعت میں اپنے آپ کو سواتیوں سے بہتر سمجھتے ہیں۔ اور متراویوں کے ماہرین انساب کا خیال ہے کہ وہ بھی ذات کے یوسفزئی ہیں۔

ان کا یہاں آنا اس طرح ہوا کہ قدیم زمانے میں ہمارے بزرگ قندھار کی حدود میں موضع گاڑسے اور نیشکی میں آباد اپنی قوم یوسف زئی سے حوادث زمانہ کے سبب الگ ہو گئے۔ اور یہاں آکر متوطن ہو گئے۔ اور ہم ان کی اولاد میں سے ہیں۔

بہر حال سلطان نے اس خوف سے کہ کوئی متراوی اسے نہ دیکھے ورنہ قتل کر دیگا۔ اس راستے کو چھوڑ کر پہاڑ کے دائیں طرف ایک

درے پر ہو لیا جسے بت بھٹ کہتے ہیں۔ اور کفار کے زمانے سے وہاں بکثرت بت پڑے ہیں۔ جب وہاں یوسفزئی کا غلبہ ہو گیا تو انہیں توڑ ڈالا یہ جگہ ابوہ سے ایک میل کے فاصلہ پر ہے۔

اس راستے پر سلطان جہاں تک سوار جا سکتا تھا۔ سوار ہو کر گیا۔ اور جب گھوڑے کے جانیکا امکان ختم ہو گیا۔ تو اتر پڑا اور گھوڑا چھوڑ دیا۔ ہتھیار اور شاہی لباس وہاں اتار پھینکا۔ اور پیدل درے میں چڑھتا رہا۔ تیسرے دن نہایت خراب حالت میں تھکا ماندہ گھر پہنچ گیا۔ گھر والے اسے رو پیٹ کر بیٹھ رہے۔ سوئم کی رسوم یعنی تیسرے دن کی فاتحہ و خیرات ہو گئی تھی۔ گھر والوں کو جب کئی دن تک اس کی خبر نہ ملی تو انہوں نے یہی خیال کیا کہ جنگ میں کام آیا۔ اب وہ زندہ گھر پہنچا تو لوگ بہت خوش ہوئے۔

کہتے ہیں کہ اس جنگ میں سلطان کے بہت عزیز و اقارب اور امیر مارے گئے۔ منجملہ ان کے شاہ اویس، فرخ زاد اور میر سنجو سواتی وغیرہ بڑے بڑے نامور اور مشہور امیر تھے۔ ان کے علاوہ بے شمار رعایا و عوام اور شرفاء مارے گئے تھے۔ بلکہ کہا جاتا ہے کہ میر ہندا کے علاوہ دوسرا کوئی امیر زندہ نہ رہا۔ اس جنگ کو "جنگ تانڑہ (تھانہ) کہتے ہیں اور نیز معلوم رہے کہ جس وقت سلطان اپنے لشکر سے جدا ہو کر پریشان حال بھاگ رہا تھا۔ تو یوسف زیوں کے چند سواروں نے اسے دیکھ لیا۔ اور اس کے تعاقب میں چلے گئے۔ مگر یوسف زئی نہیں جانتے تھے کہ یہ سلطان ہے۔ جب کچھ دور تک گئے تو سب نے دیکھا کہ وسط راہ میں سونے

کی دو خوبصورت بالیاں ایک رومال میں بندھی ہوئی پڑی ہیں۔ یہ بالیاں سلطان نے اپنے کانوں میں سے نکال کر رومال میں باندھ کر اس خوف سے گرادی تھیں۔ کہ اگر کسی نے پہچان لیا کہ یہ سلطان ہے۔ تو قتل کر دے گا۔ سوار رومال دیکھ کر اتر پڑے۔ اور اُسے اُٹھالیا۔ کھول کر دیکھا تو اس میں سونے کی دو بالیاں تھیں۔ اس اثنا میں سلطان بہت دور نکل گیا۔ اس کے آگے پھر متراویوں کی بستیاں تھیں اس وجہ سے یوسفزئی سوار وہاں سے لوٹ کر اپنے لشکر سے آملے۔

کہا جاتا ہے کہ تمام سلاطین سوات کا یہ دستور تھا کہ جب کوئی سلطان تخت نشین ہوتا تھا تو اس کے دونوں کانوں میں سونے کی بالیاں ڈال دیجاتی تھیں۔ سلطان کے علاوہ کسی اور کی یہ مجال نہ تھی کہ وہ کانوں میں سونے کی بالیاں پہن سکے۔ یہ سلطان کا خاص امتیاز تھا۔ بڑے بڑے اُمراء چاندی کے حلقے کانوں میں ڈالتے تھے۔ ابتداء میں جب یوسفزئی سوات پر قابض ہوئے۔ تو وہ بھی اسی دستور کے مطابق اپنے کانوں میں سونے کے حلقے ڈالنے لگے۔ مگر وہ کشمیریوں کی رسم کے مطابق منقش اور خوبصورت ہوتے تھے۔ خصوصاً منڈ میں اکثر بہزادخیل عدوزئی ڈالتے تھے۔ اور یوسف نامہ میں اکثر اکوزئی۔ خصوصاً اسماعیل ملی زئی ڈالا کرتے تھے۔

دوسری بات یہ واقع رہے۔ کہ اس لڑائی میں جانبین کی صفیں مقابل آگئیں۔ کریم داد بن عثمان بن الیاس ابازئی اکوزئی نے جس کا ذکر پہلے گزرچکا ہے۔ میر ہندا کو سلطان کی صف میں دیکھا تو فارسی

زبان میں اُسے یوں للکارا۔

کہ " اے میرہندا! اگر تم مرد ہو اور جنگ کا خیال رکھتے ہو تو آجاؤ میں حاضر ہوں۔"

اس زمانے میں یوسف زئی لوگ نئے نئے کابل سے آئے ہوئے تھے۔ فارسی خوب بولتے تھے۔ پس جب میرہندا نے کریم داد کی للکار سُنی تو اپنے ساتھیوں سے نکل آیا۔ دونوں نے فارسی زبان میں دعوتِ جنگ دی۔ کہ تم پہلے وار کرو۔ دوسرا کہتا تھا کہ نہیں تم پہل کرو۔ آخر دونوں نے نیزے کے دُو دُو وار کئے مگر دونوں زرہ پوش تھے۔ اس لئے کوئی بھی زخمی نہ ہوا۔

کہتے ہیں کہ میرہندا نے زرہ کے اوپر قبا پہنی تھی۔ کریم داد جب نیزے کا وار کرتا قبا میں سے روئی نکال لیتا۔ نیزہ اور کچھ نہ کر سکتا تھا۔ اس اثنا میں دونوں لشکر بھی برسرِپیکار ہو گئے۔ ابھی ایکدوسرے پر دو دو ہاتھ بھی نہ اُٹھائے پائے تھے کہ سلطان کا لشکر شکست کھا گیا۔ میرہندا بھاگنے لگا تو کریم داد نے اُسے آواز دی۔

کہ " میرہندا! مت بھاگو۔ بھاگنا مردوں کو زیب نہیں دیتا۔ تم لاف زنی کرتے تھے"۔

مگر میرہندا کہاں ٹھہرنے والا تھا۔ بھاگ کھڑا ہوا۔ کریم داد دُو تین میل تک اس کا تعاقب کرتا رہا۔ اور وار کرتا رہا۔ مگر اس پر اثر نہیں ہوتا تھا۔ آخر کریم داد نے نیزے کی انّی اس کی زرہ کے گریبان کے اندر کر دی۔ اور بہت زور لگایا کہ میرہندا گر جائے مگر وہ نہ گرا۔

کیونکہ اس کا گھوڑا بہت عمدہ تھا۔ اور وہ خود بھی قوی ہیکل شخص
تھا۔ اس کے مقابلے میں کریم داد سبک اندام تھا۔ اور اس کے گھوڑے
نے تازہ خوید کھائی تھی۔ اس میں اتنا زور اور اتنی قوت نہ تھی۔ اس
طرح یہ دونوں آگے چلتے رہے۔ جب ہموار زمین سے نکل کر دریا
کے قریب خراب اور ناہموار جگہ پر پہنچ گئے۔ تو میر ہندا کو گر جانے کا
خطرہ پیدا ہوا تو اس نے اپنے پیادے نوکر سے (جسے ہفت منی
کے نام سے پکارتے تھے) کہا کہ "اے ہفت منی! یہ سوار تو مجھے نہیں
چھوڑتا نظر آتا۔" ہفت منی نے اس پر تیر چلایا جو برہنہ جگہ پر ایسا لگا کہ
کریم داد گھوڑے سے نیچے گر گیا۔ اور وہیں مر گیا۔ اور کریم داد کے
نیزے کی انی میر ہندا کی زرہ میں اٹکی رہ گئی تھی۔ اُسے کچھ آگے جا کر
نکالا۔ یوسف زئی میں کریم داد کے علاوہ اور کوئی نامور آدمی اس
لڑائی میں نہیں مارا گیا۔

یوسف زئی نے اس جنگ کی بدولت سوات کے تہائی حصے پر
قبضہ کر لیا۔ اور ہر کسی نے سمجھ لیا کہ یوسف زیوں کی قسمت کا ستارہ عروج
پر ہے۔ اور سلطان کے اقتدار کا سورج کو گہن لگ چکا ہے۔ اور
دوسری بات یہ بھی تھی۔ کہ یوسفزئی ان دنوں بڑے خوش اخلاق اور
نیک معاش تھے۔ اس لئے لوگ چاروں اطراف سے آکر اُن کے
مقبوضہ سوات میں آکر آباد ہونے لگے۔ ان کے پہلو بہ پہلو ہر گاؤں
میں یوسف زئی کے چند گھرانے آباد ہوتے رہے۔

سوات کا ایک تہائی حصہ جس پر سلطان اور ملک حسن متراوی

کا قبضہ تھا۔ اس کی صورت یہ تھی۔ کہ سوبیگی کی چوٹی سے اوپر یعنی
اس کے سرے سے تخری تک اور پھر وہاں سے منگلور تک کا پورا
ملک سلطان کے قبضے میں تھا۔ اور شامیلے کی چوٹی سے لنڈاکی اور
مورا تنگ جو آبی اور سرسبز علاقہ تھا۔ حسن متراوی کے زیر تصرف تھا۔
یوسف زئی کا لشکر خانہ، تھانہ، چکدرہ اور داموڑہ میں پڑا ہوا تھا۔ اور
ہمیشہ سلطان کے زیر نگین دیہات پر شبخون مارتا۔ دھاوے بولتا
اور قید و بند اور قتل و غارت میں دریغ نہ کرتا تھا۔ دیہات جلاتا اور
تباہ و برباد کر دیتا تھا۔ لیکن متراویوں کے علاقے سے کوئی تعرض نہ
کرتا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد یوسف زیوں کا لشکر منگلور کی طرف
روانہ ہو گیا۔ دمغار سے آگے حسین ڈیری کے راستے سے آگے بڑھ
کر صلاح و مشورہ کیا۔ یوسفنامہ نے کہا کہ یارو! منگلور کا قلعہ بہت
سنگین ہے۔ راستہ تنگ اور سلطان بذات خود اس میں مقیم ہے
لشکر بھی اس کا بہت زیادہ ہے۔ اس پر قبضہ کرنا بہت مشکل ہے
ہم اپنے آپ کو اُن کے نرغے میں دیدیں گے۔ اور کچھ بھی نہ
کر سکیں گے۔ اس لئے ہماری رائے یہ ہے کہ منگلور نہ جائیں
اور کبھی ایک سرے اور کبھی دوسرے سرے کے دیہات پر دھاوا
بولتے رہیں۔ اس سے وہ خود بخود تنگ آ جائیں گے۔ مگر منڈڑ اس
بات کو سننے کیلئے تیار نہ تھے۔ انہیں منگلور چلنے پر اصرار تھا۔

آخر منڈڑ دریا سے اتر گئے۔ کہتے ہیں کہ منگلور جانے کے
لئے زیادہ زور اکی بن بہزاد صدوزئی منڈڑ لگا رہا تھا۔ اور وہی پہل

بھی کر رہا تھا۔ جو ملک قرہ کا حقیقی بھائی اور نامور شاہسوار تھا۔ آخر منڈ تنہا روانہ ہو کر منگلور پر حملہ آور ہوئے۔ اور قلعہ کے باہر شہر منگلور کو تاراج کیا۔ لوگوں کو تہہ تیغ اور پابند سلاسل کیا۔ مگر سلطان قلعے سے باہر نہ نکلا۔ دروازے مضبوطی کے ساتھ بند کر دیئے گئے تھے۔ اس لئے قلعہ پر لشکر کا کوئی قابو نہیں چلتا تھا۔ بالآخر لشکر اُسی دن وہاں سے لوٹ کر دمغار آگیا۔ من چلے نوجوان لشکار کے طریق پر ہمیشہ جاتے۔ اور سلطان اویس کے گرد و نواح کے دیہات پر دھاوے بولتے۔ آخر چند روز قیام کرنے کے بعد سارا لشکر دمغار سے کوچ کر کے تھانے آگیا۔ اب سلطان کی طرف سے یوسفزئی کیلئے کوئی خطرہ باقی نہ رہا۔

کہتے ہیں کہ انہی ایام میں عید آگئی۔ اکثر یوسف زئی نوجوان میدان میں نکل کر تماشے کرنے لگے۔ گھوڑ سوار نیزہ بازی کر رہے تھے۔ اسی اثنا میں بعض سر پھرے نوجوان اور دھاڑا ڈالنے کے طریقے پر بغیر پوچھے اور بزرگوں سے مشورہ کئے بغیر علاقہ تالاش گئے۔ تالاش تھانے (تانڑہ) سے شمال کی جانب ۱۶/۱۵ میل کے فاصلے پر دریائے سوات کے اس پار اور ۸/۷ میل دریائے پنجکوڑہ سے اس طرف دونوں دریاؤں کے بیچ میں پہاڑوں کے درمیان واقع ہے۔ بڑا زرخیز علاقہ ہے۔ پہاڑ کی چوٹی پر کفار کے عہد کا قلعہ ہے۔ قلعہ کے سامنے انار کے باغات ہیں۔ میدانی علاقے میں اس وقت کافر دہگان رہتے تھے۔ جو شجاعت میں مشہور تھے

ان کے اشراف و اعیان قلعے میں رہتے تھے۔ اور رعایا سب کی سب نیچے بستی تھی۔ یوسفزیوں کا یہ دھاڑا وہاں پہنچا۔ اور تالاشیوں کے مویشی کو پکڑ کر ہانکنے لگا۔ کچھ سواروں کو تو اُن کے پیچھے لگایا۔ اور تجربہ کار شہسوار دُنبال میں رہ گئے۔ تالاشیوں کو پتہ چل گیا۔ وہ اپنے مویشیوں کو چھڑانے کیلئے دوڑ پڑے۔ وہ چاہتے تھے کہ "کاٹ گلہ" کے درے تک پہنچ کر ان کی ناکہ بندی کریں "کاٹ گلہ" کا درہ وہ ہے جہاں تالاش کی دونوں پہاڑ ایک دوسرے سے مل گئے ہیں۔ یہ انتہائی دشوار گزار اور سخت راستہ ہے تالاشیوں کا خیال تھا کہ یہاں ان کی ناکہ بندی کر کے اپنے مویشی ان سے چھڑالیں گے۔ مگر وہ وہاں پہنچے تو یوسفزئی کے گھوڑ سواروں نے مویشی وہاں سے گزار کر آگے نکل گئے تھے۔

جب تالاشی کا ٹنگلے کے میدان میں پہنچے تو یوسف زیوں کے سواروں سے اُن کی مڈبھیڑ ہوئی۔ جب اس مقام سے گزر کر ادھر آگئے۔ تو وہاں رباط نام کا ایک مقام ہے۔ جس میں مکانات پختہ اور اینٹوں کے بنے ہوئے ہیں۔ اور پرانی آبادی ہے۔ ایک بلند تودہ پر جس کے نیچے ایک عمیق خشک ندی ہے۔ ایک پیادہ تالاشی محمود بن شاہان یوسف زئی اکوزئی آبازئی کے تعاقب میں پہنچ گیا۔ اور پکڑنے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ محمود چھلانگ لگا کر گھوڑے سے اتر گیا اور دونوں کشتی لڑتے نیچے ندی میں گر گئے۔ مگر اللہ نے محمود کو اس کے اوپر کر دیا۔ محمود نے چھری نکال کر اس کے پیٹ میں پیوست کر دی۔ اور اُسے جان سے مار ڈالا

اور چاندی کے دو حلقے اس کے کانوں سے نکال کر پھر گھوڑے پر سوار ہوگیا۔ اور اپنے سواروں سے آکر مل گیا۔ اور سب یوسفزئی مل کر درّے میں داخل ہوگئے۔ مگر تالاشیوں نے آگے پھر ناکہ بندی کر لی تھی۔ جسے دیکھ کر ایکدوسرے سے کہنے لگے۔ کہ "یارو! محصور ہوگئے۔ مردانگی سے کام لو۔ مردانگی کا وقت ہے" اسی طرح اکثر سوار اوپر چڑھ کر پہاڑ کیطرف سے نیچے آگئے۔ اور بعض شاہراہ پر درے میں داخل ہوگئے۔ اور پھر سب نے ملکر تالاشیوں پر حملہ بول دیا۔ اور بہت سے تالاشیوں کو تہہ تیغ کیا۔ کپڑے اور اسلحہ چھین لیا۔ اور صحیح و سلامت نکل کر اپنے لشکر سے آملے۔

کہتے ہیں کہ مزید بن قرہ بن بہزاد صدوزئی منڈڑ، خان کجو کا حقیقی بھائی جو شجاعت میں بینظیر اور نہایت حسین و جمیل نوجوان تھا ایک عمدہ عراقی مشکی گھوڑے پر سوار تھا۔ اسی اثنا میں اس نے شمال کی جانب سے پہاڑ کے قریب ایک تالاشی پر وار کیا۔ اس نے نیچے درے میں چھلانگ لگائی۔ اور دوسرے کنارے پر پہنچ کر اوپر چڑھ کر بھاگنے کا قصد کر رہا تھا۔ کہ مزید نے اس کے پیچھے گھوڑا دوڑا دیا۔ گھوڑے نے اتنی بڑی چھلانگ لگائی کہ درے کے دوسرے کنارے پر اگلے پاؤں سے چٹان میں اٹک گئے۔ اسی حالت میں مزید نے تالاشی کو ایسا نیزہ مارا کہ نیزہ آر پار نکل گیا۔ اسی اثنا میں اسماعیل بہزاد خیل جو مزید کا قریبی رشتہ دار تھا۔ اس کی مدد کیلئے آپہنچا۔ اور شمشیر مار کر تالاشی کو ہلاک کر دیا۔ مزید نے جب دیکھا کہ اس کا گھوڑا چٹان کے ساتھ آدھا اوپر اور

آدھا نیچے کھڑا ہے۔ تو چھلانگ لگا کر نیچے اتر گیا۔ اور اوپر چڑھ کر گھوڑے کی لگام پکڑ کر اُسے اوپر چڑھایا۔ اور سوار ہو کر اپنے سواروں کے پیچھے چلا گیا۔ کاٹ لگے کے جس درے میں مزید کے گھوڑے نے جست لگائی تھی اس کے دونوں کناروں کا فاصلہ اکبری گز سے نو گز ہے۔ اس جگہ دونوں طرف پتھروں کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔ جو اب تک نمایاں دعیاں ہیں اور اس جنگ کو گھوڑ ترپ کہتے ہیں۔

الحاصل وہ دھاڑا فتح و ظفر کے ساتھ تھانے واپس آگیا۔ مال و مویشی بہت سے لے آئے۔ اور فتح مند بھی جس پر ملک احمد نے بڑی مسرّت کا اظہار کیا۔ اس کے بعد جب سلطان اویس اور متراویوں کی طرف سے کوئی خطرہ باقی نہ رہا۔ تو لشکر کو رخصت کر دیا۔ ہر کوئی اپنے اپنے گھروں کو رخصت ہوا۔

تالاشیوں کا رہنا بھی اب ان کے بس کا کام نہ رہا۔ اس لئے وہ بھی گھر بار چھوڑ کر تالاش سے نکل کر پنجکوڑے کے دروں میں داخل ہوگئے۔ اور علاقہ کو خالی کر دیا۔ اس طرح تالاش کا علاقہ بھی یوسفزیوں کے تصرف میں آگیا۔ اور یوسف زئی وہاں متوطن ہو گئے۔ جب یوسفزئی نے سوات کے دو تہائی حصے پر اپنا تصرف جمالیا۔ تو باقی سب لوگ سمہ کو واپس آکر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

یہ بھی معلوم رہے کہ گذشتہ وقت جب مرزا الغ بیگ نے یوسف زیوں پر بہت مظالم ڈھائے اور انہیں کابل سے جلاوطن کر دیا تو اللہ نے اس پر عذاب نازل کیا۔ اس کی دونوں رانوں میں مہلک پھوڑے

نکلے۔ اور بے انتہا مصائب اور بے حد سختیوں میں مبتلا ہو کر ۹۱۰ھ میں کابل میں وفات پائی۔ اور ظہیر الدین بابر نے اواخر ربیع الثانی ۹۱۰ھ میں کابل کو فتح کیا۔

روشن خان ولد محمد زمان خان نواں کلی
تحصیل صوابی پشاور

ایک اہم واقعہ

جو ۹۱۵ھ میں پیش آیا

دوسرے سال بابر بادشاہ نے پھر بعض امور میں صلاح و مشورے کی غرض سے ملک احمد کو فرمان کے ذریعے کابل کو طلب کیا ملک احمد نے اپنی قوم کو جمع کیا اور صورت حال سے آگاہ کیا کہ بادشاہ کا فرمان آیا ہے۔ اور مجھے کابل طلب کیا ہے۔ آپ لوگوں کا کیا مشورہ ہے؟۔ قوم نے کہا کہ ملک صاحب! بادشاہ کو آپ ہی نے دیکھا ہے اس لئے جو آپ کی مرضی ہو وہی ہماری مرضی ہے۔ ملک احمد نے کہا کہ اے قوم! میں نے اس بار موت کو اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے۔ اس دفعہ میرا جی جانے کو نہیں چاہتا۔ قوم نے بھی اس طرح کہا کہ ملک صاحب! جب آپ کی رائے نہیں ہے تو نہ جائیں۔

ملک احمد نے ساری قوم کو جمع کیا۔ اور کہا کہ میں سمجھتا ہوں۔ کہ میرے کابل نہ جانے کا نتیجہ یہ نکلے گا۔ کہ بادشاہ خود میرے پیچھے آئیگا یا فوج بھیجے گا۔ تاکہ ہماری بیخ کنی کیجائے۔ پس اس کے آنے

سے پہلے آئیں۔ تاکہ اپنے آپ کو بچانے کی فکر کریں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ تمام یوسف زئی جمع ہو کر موڑا نامی پہاڑ جس میں بے شمار غار اور درّے ہیں' میں گھس جائیں۔ تاکہ اگر وہ آجائیں تو ہمارا کچھ بگاڑ نہ سکے۔ چنانچہ اس پر عملدرآمد کرتے ہی تمام یوسف زئی جمع ہو گئے اور سب موڑا کے پہاڑ میں داخل ہو گئے۔ اور پہاڑ کے تمام راستے مستحکم کر لئے۔

بادشاہ نے بھی دل میں ملک احمد کے کابل نہ آنے کے سبب یوسفزئی کے ملک کو تباہ کرنیکا منصوبہ باندھ رکھا تھا۔ اس لئے وہ کثیر افواج کو لیکر کابل سے نکل کر باجوڑ کے راستے ملک سوات کی طرف متوجہ ہو گیا۔ موضع دیاردن جو دریائے پنجکوڑہ کے کنارے آباد ہے۔ پہنچ کر ڈیرہ ڈالا۔ اور ملک احمد کے نام فرمان لکھ کر بھیجتا رہا۔ اور قسمیں کھا کر وعدے کیا کرتے۔ کہ ڈرو مت! آجاؤ تمہارے ساتھ بھلائی کروں گا۔ مگر ملک احمد اس کے منصوبوں سے واقف تھا۔ ملک احمد اس کے وعدوں سے دھوکہ کھانے اور اس کے جال میں پھنسنے والا نہ تھا۔ ملک احمد نے بادشاہ کے فرمانوں اور وعدوں کی قطعاً پرواہ نہ کی۔ جب بادشاہ ملک احمد کے آنے سے مایوس ہو گیا۔ تو یوسفزئی پر حملہ کرنے کا قصد کیا۔ اس کا خیال تھا کہ اس طرح ملک احمد ڈر جائیگا۔ اور التجا کریگا۔ مگر بے سود۔ بلکہ عجیب یہ کہ یوسف زئی پر حملہ کرنیکے بجائے بابر نے اچانک دیاردن سے منگلور پر حملہ کرنے کا قصد کیا۔ جس چوٹی سے گزر کر بابر سوات میں داخل ہوا تھا۔ اُسے اب تک "بابر سر" کہتے ہیں۔

وہاں سے باہر گزر کر دمغار میں وارد ہوا۔ اور حسین ڈھیری کے مقام پر دریائے سوات کو عبور کر کے منگلور پہنچا۔ اور قلعے سے باہر جتنے گاؤں تھے سب کو غارت کر دیا۔ اور جو لوگ قلعے کے اندر سلطان اویس کے ساتھ تھے۔ وہ اس لئے سلامت رہ گئے کہ قلعہ انتہائی محکم تھا۔ وہاں سے لوٹ کر بابر پھر دیاردن واپس آیا۔

واضح رہے کہ منگلور کا یہ واقعہ اور دیاردن میں بابر کا قیام ماہ محرم سنہ ۹۲۵ھ میں پیش آیا۔

الغرض جب بابر منگلور سے واپس آکر دیاردن میں مقیم ہو گیا۔ تو جاسوس اور گماشتے مقرر کئے تاکہ مورا کا راستہ دیکھیں۔ کیونکہ وہ تاخت و تاراج کرنے کی فکر میں تھا۔ مگر ملک احمد نے راستوں کی محکم ناکہ بندی کر دی تھی۔ اور مورا کا سارا پہاڑ لشکر سے بھر دیا تھا۔ اس لئے جاسوسوں نے رخنہ اور راستہ نہ پایا۔ اور تاخت کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ مجبور ہو کر اس نے یہ قصد کیا کہ قلندرانہ لباس میں خود مورا جائے۔ اور لشکر اور راستوں کا احوال معلوم کرے۔ اسطرح کی سیاست اور جاسوسی اس کا ہمیشہ کا دستور تھا۔ اور اس کام کیلئے وہ مشہور تھا۔ چنانچہ چند خواص کی معیت میں قلندرانہ لباس پہن کر چپکے سے اپنے لشکر سے نکل کر مورا کے قریب پہنچا۔ دیاردن سے مورا تک ایک دن کا راستہ ہے۔ اس طرح اس نے پہاڑ، راستوں اور لشکر کے احوال معلوم کئے۔ لیکن ہر طرف سے اور ہر طرح سے انتظامات کو مضبوط اور مستحکم پائے۔

کہتے ہیں کہ مورا نامی پہاڑ کی چوٹی پر ایک بلند اور اونچا مکان تھا جس میں ملک احمد کا چچازاد بھائی شاہ منصور رہتا تھا۔ اس لئے اُسے شاہ منصور کا تخت کہا جاتا تھا۔ اور مورا کی یہ چوٹی اب تک تختِ شاہ منصور کے نام سے مشہور و معروف ہے۔

اتفاقاً بقرہ عید کا دن تھا۔ شاہ منصور نے کئی گائے ذبح کر کے قربانی کی تھی۔ روٹی اور گوشت پکایا تھا تقسیم کرنیوالوں کا اژدحام تھا۔ بابر بھی تماشہ دیکھنے کیلئے اوپر چڑھ کر صحن کے ایک گوشے میں بیٹھ گیا۔ بابر جہاں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ شاہ منصور کے مکان کے دروازے کے عین مقابل تھا۔ اور اس مکان میں دروازے کے سامنے شاہ منصور کی دختر مسماۃ بی بی مبارکہ بیٹھی ہوئی تھی۔ جو انتہائی خوبرو و عاقلہ اور ہوشیار تھی۔ اس نے انہیں دیکھا۔ تو سمجھی کہ قلندر لوگ ہیں اس لئے گوشت روٹیوں میں لپیٹ کر اپنے آدمی کے ہاتھ بھیجا۔ بابر نے اس سے گوشت لیکر پوچھا کہ یہ کس نے بھیجا ہے؟ آدمی نے کہا کہ یہ شاہ منصور کی دختر بی بی مبارکہ نے بھیجا ہے۔ جو سامنے دروازے میں بیٹھی ہے۔ بابر نے آنکھ اٹھا کر اُسے دیکھا اور دیکھتے ہی اس پر فریفتہ ہو گیا۔ پھر اس آدمی سے پوچھا۔ کہ اس کی عمر کتنی ہے؟ اور کس سے منسوب ہوئی ہے یا نہیں؟ آدمی نے کہا جوان ہے اور عقل و دانش، سیرت و خصلت اور عفت و فراست میں اپنا نظیر نہیں رکھتی۔ اور تاحال کسی سے منسوب نہیں۔ اور حقیقت بھی یہی تھی۔ کہ وہ ان اوصاف حمیدہ کے ساتھ متصف تھی۔ اس لئے بادشاہ کو دل و جان سے پسند ہو گیا۔ اور بادشاہ

کے دل میں اس کا خیال پتھر کے نقش کے مانند جم گیا۔ بابر وہاں سے
نکلا اور گوشت جو روٹیوں میں لپٹا ہوا تھا۔ مکان کی پشت کی طرف ایک
بڑی چٹان پر رکھ کر اس کے اوپر سے ایک پتھر رکھدیا۔ اور وہاں سے
روانہ ہو کر اپنے لشکر میں آگیا۔

اس کے بعد بادشاہ نے ملک احمد اور شاہ منصور کے نام درخواست
لکھی کہ بی بی مبارکہ کا رشتہ میرے ساتھ منظور کرلیں۔ میں آپ پر کوئی
تعرض نہیں کروں گا۔ اور بہت بھلائی کروں گا۔ ملک احمد اور
شاہ منصور نے جب بادشاہ کا درخواست دیکھا تو رشتہ دینے سے
انکار کردیا۔ اور اسے خط لکھ کر بھیجا۔ کہ ہماری کوئی بیٹی نہیں ہے
اور بالفرض ہوتی بھی تو مغلوں کے ساتھ ہمارا رشتہ ناطہ نہیں ہوتا
ہے۔ اس لئے ہم یہ پیغام منظور نہیں کرتے۔

بادشاہ نے انہیں پھر لکھا کہ میں نے تمہارے ساتھ کوئی برائی نہیں کی
ہے۔ تم دونوں جب کابل آئے تھے تو میں نے دونوں کو خلعت
سے سرفراز کرکے عزت کے ساتھ رخصت کیا تھا۔ اور پھر جب دوبارہ
ملک احمد کو بلایا تو وہ مجھ سے باغی ہوگیا۔ اب میں خود یہاں آیا تب
بھی وہ حاضر نہیں ہوا۔ اور اب جبکہ دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہوں تو
عذر پیش کرتے ہو۔ اور انکار کرتے ہو۔ ہمارے ساتھ تمہارا یہ رویہ
مناسب نہیں ہے۔ جبکہ میں نے اپنی آنکھوں سے شاہ منصور کی بیٹی
بی بی مبارکہ کو دیکھا ہے۔ جس کی نشانی یہ ہے کہ میں چند آدمیوں
کے ساتھ قلندرانہ لباس میں بقرہ عید کے دن علاقے کی جانچ پڑتال

کی نیت سے گیا تھا۔ شاہ منصور نے قربانی کی تھی۔ اور گوشت
پکایا تھا۔ بہت سے لوگ وہاں جمع ہوئے تھے۔ ہم بھی قلندروں
کی طرح مکان کے دروازے کے مقابل صحن کے ایک کنارے پر
بیٹھ گئے۔ اور سامنے مکان کے دروازے میں بی بی مبارکہ بیٹھی تھی
اور اسی طرح ہم نے ایکدوسرے کو دیکھا۔ چنانچہ اس نے کچھ گوشت
بھی روٹیوں میں لپٹا ہوا ہمارے لئے بھیجا۔ یہ روٹی اور گوشت
ہم نے مکان کے عقب میں ایک چٹان پر رکھکر اوپر سے ایک اور پتھر
رکھدیا ہے۔ یہ کام محض نشانی کے خیال سے کیا گیا تھا۔ تاکہ تم منکر نہ
ہوسکو۔ اب تم جاکر اسے دیکھ لو۔ اگر یہ بات درست ہے۔ تو
تمہارا انکار کرنا صحیح نہیں ہے۔ مناسب ہوگا کہ میرے ساتھ دوستی
کرلو۔ یہی میرا سب سے بڑا مقصد ہے۔ اور اگر یہ نہیں کرتے۔ تو
میں کابل سے اسی مہم پہ آیا ہوں۔ اور کامیابی کے بغیر واپس لوٹنا
میرے لئے باعث شرم ہے۔ پھر دیکھوں گا کہ خدا کو کیا منظور ہے
جو کچھ اسے منظور ہوگا وہی ہوکر رہیگا۔

ملک احمد اور شاہ منصور نے بادشاہ کا یہ خط پڑھا۔ تو آدمی
بھیجا۔ وہ جگہ دیکھی جیسا کہ بادشاہ نے لکھا تھا گوشت اور روٹی
واقعی وہاں رکھی ہوئی تھی۔ انہیں یقین آگیا کہ واقعی بادشاہ آیا تھا
اور اس نے بی بی مبارکہ کو واقعی دیکھا ہے۔ تاہم اسے رشتہ
دینے پر یہ دونوں پھر بھی آمادہ نہ ہوئے۔ اور انہوں نے دوسرا
بہانہ کیا کہ ہم مغلوں سے بدول ہیں۔ مرزا الغ بیگ نے ہمیں قتل

کیا۔ اب ان کے ساتھ ہماری رشتہ داری کیونکر ہو سکتی ہے
مگر شیخ علی، ملک قزہ اور محمود بن یحییٰ اکوزئی علاؤالدین زئی جیسے
اراکین لویا جرگہ نے ملک احمد کو اس بات پر مجبور کیا اور کہا کہ
بادشاہوں کے ساتھ سرتیزی اور درشتی مناسب نہیں۔ جبکہ وہ
باوجود امیر تیمور کا پوتا ہونے کے برضا و رغبت اس رشتے کا خواہشمند
ہے۔ اور وہ قدرشناس بھی ہے۔ دوئم یہ کہ آپ اپنی قوم کے
نگہبان ہیں۔ اور قوم کی حفاظت کے ذمہ دار بھی ہیں۔ لہذا آپ کو
یہ رشتہ قوم کے مفاد کی خاطر منظور کر لینا چاہیئے۔ چنانچہ ملک احمد
نے مجبور ہو کر اراکین لویا جرگہ کا یہ مشورہ قبول کرتے ہوئے بادلِ ناخواستہ
رشتہ دینے پر راضی ہو گیا۔ اگرچہ یہ منگنی اور شادی پٹھانوں کی رسم
و رواج کیمطابق تھی۔ مگر شاہ منصور نے کہا کہ بادشاہوں کے شایانِ
شان جہیز اور شادی کے انتظامات اور ساز و سامان کی میں طاقت
نہیں رکھتا۔ اراکین لویا جرگہ نے کہا کہ جہیز کے سارے سامان کی ذمہ داری
ہماری ہے۔ ہم سونا اکٹھا کریں گے۔ اور آپ کی عزت و آبرو رکھ
لیں گے۔ بالآخر شاہ منصور بھی راضی ہو گیا۔ اور بی بی مبارکہ کا
بادشاہ سے رشتہ منظور کر لیا۔

اس کے بعد اراکینِ انتظامیہ نے بادشاہ کی خدمت میں مبارکباد
لکھ کر بھیجی اور شادی کی تاریخ ۲۸ر محرم ۹۱۵ھ مقرر کر کے اپنے مطالب
اس طرح عرض کئے۔

کہ۔ "ہم نے بڑی کوششوں سے ملک احمد اور شاہ منصور کو
رضامند کر کے بی بی مبارکہ کو آپ سے منسوب کروا دیا ہے
پس بادشاہ کے اخلاقِ حسنہ سے توقع یہ ہے کہ خوشی اور
دوستی کا حق پیشِ نظر رکھیں گے۔ اور شیوۂ مہربانی ملحوظِ خاطر
رکھ کر ہماری تقصیر کو معاف کر کے ساری توجہ اس طرف مبذول
فرمائیں گے۔"

جونہی یہ خوشخبری بادشاہ کو پہنچی تو فرطِ مسرت سے نوبت بجائی
جانے لگی۔ اور خوشیاں منائی جانے لگی۔ اور ان کا جو مسئول و
ماموّل تھا۔ سب گوشِ ہوش سے سن کر وعدہ کیا کہ شادی کے اہتمام کے
بعد کابل روانہ ہو جاؤں گا۔ اور کسی طرح سے بھی ان سے کوئی تعرض
نہیں کروں گا۔

تمام قوم نے اپنے اپنے حصے اور حیثیت کے مطابق سونا جمع کر کے
شاہ منصور کو پہنچایا۔ شاہ منصور نے عوام کا سونا اور اپنے متعدد سیر
سونا خرچ کر کے بی بی مبارکہ کیلئے شاہانہ جہیز تیار کیا۔

کہتے ہیں کہ بادشاہ کے شایانِ شان زیور اور نادر ملبوسات اور
بیش بہا خلعتیں، گھوڑے، خیمے، شامیانے، تانبے کے ظروف،
خادمائیں اور دیگر لوازمات بہ عجلت تمام تیار کر کے بادشاہ کو اطلاع دے
دی۔ بادشاہ نے اپنی جگہ اپنی تلوار بھیج دی۔ بعدازاں بی بی مبارکہ کو ڈولی
میں بٹھا دیا گیا۔ ملک احمد اور شاہ منصور لشکروں کی معیت میں روانہ
ہو کر مورا پہاڑ سے اترے۔ تھانے سے ہو کر چکدرہ کی گزرگاہ سے

دریائے سوات کو پار کیا۔ چکدرہ، اوچ، کاٹ گلہ اقبالاش ہوتے ہوئے تری کی چوٹی پر پہنچ کر ٹھہر گئے۔ تری کی چوٹی اور بادشاہ کے لشکر کے مابین ایک کروہیہ کی مسافت تھی۔ چوٹی کے نیچے بادشاہ کے اُمراء لشکر کے ساتھ جنہیں بادشاہ نے بی بی مبارکہ کی ڈولی کے استقبال کیلئے بھیجا تھا۔ منتظر کھڑے تھے۔ جبکہ ملک احمد اور شاہ منصور وغیرہ نے بادشاہ کا لشکر دیکھا تو طاؤس خان کی سرکردگی میں اپنے غلاموں اور خادموں کو ساتھ کر کے بی بی مبارکہ کو رخصت کر دیا۔ اور خود واپس چلے گئے۔ بادشاہ کے امیروں نے ڈولی اٹھا کر لشکر تک پہنچا دی۔ بی بی مبارکہ کیلئے بادشاہ کے خیمے کے برابر میں ایک خاص سراپچہ قائم کیا گیا تھا۔ اس میں اُسے پورے اعزاز کے ساتھ اتارا گیا۔ بادشاہ اور اُمراء کے اہل حرم اس کی ملاقات کیلئے آئے۔ مگر اس نے کسی کی بھی تعظیم نہیں کی۔ نہ اپنی جگہ سے اُٹھی۔ اور نہ کسی سے بات کی۔ چنانچہ یہ رات اسی طرح گذری۔ دوسرے دن ظہر کی نماز کے بعد جب بادشاہ (ادائیگی نماز کے بعد) پھر بی بی مبارکہ کے خیمے کیطرف متوجہ ہوا تو کنیزوں نے بی بی صاحبہ کو خبردار کیا کہ بادشاہ اس کی طرف آرہا ہے۔ جونہی بادشاہ خیمے میں داخل ہوا یہ فوراً پلنگ سے اتر کر اس طرح گھونگٹ میں دست بستہ کھڑی ہوگئی۔ بادشاہ قریب پہنچا تو آداب بجالائی۔ اور آداب کے ساتھ کھڑی رہی۔ بادشاہ پلنگ پر بیٹھ گیا۔ اور اس سے مخاطب ہو کر کہا۔

پشتو بیٹے (اخپتون زادی) بیٹھ جاؤ۔ بی بی مبارکہ پھر تسلیمات بجالائی لیکن بیٹھی نہیں۔ بادشاہ نے پھر کہا۔ پشتو بیٹے! بیٹھ جاؤ۔ مگر یہ پھر بھی نہ بیٹھی۔ اس طرح تیسری بار بادشاہ نے کہا۔ کہ پختون زادی! بیٹھ جاؤ مگر یہ پھر بھی نہ بیٹھی۔ اور ہر دفعہ تسلیمات بجالاتی رہی۔ اس کے بعد بادشاہ نے ہاتھ بڑھا کر اسے کھینچ لیا۔ اور آنچل چہرے سے ہٹا دیا۔ لیکن اس نے حیا کے سبب پھر بھی اٹھا کر نہ دیکھا۔ بادشاہ اس کے اخلاق، سیرت اور صورت پر دل و جان سے فریفتہ ہو گیا۔ بادشاہ نے پھر اس سے کہا۔ کہ پشتون زادی! بیٹھ جاؤ۔ اس کے بعد وہ بولی کہ میں ایک عرض رکھتی ہوں۔ بادشاہ نے کہا۔ کہو! بی بی مبارکہ نے پلّو پھیلا کر کہا۔ کہ میں اپنی قوم کیلئے بادشاہ سے بخشش اور معافی کی خواستگار ہوں۔ اگر بادشاہ کی مہربانی ہو تو میری مراد سے میری جھولی بھر دی جائے۔ اور میری قوم کا گناہ معاف کر دیا جائے۔ بادشاہ نے کہا۔ اچھا پختون زادی تمہاری مراد سے تمہاری جھولی بھر دی گئی۔ اور تمہاری قوم کی تقصیر معاف کر دی گئی۔ خاطر جمع رکھو وہ شکریہ کے طور پر پھر تسلیمات بجالائی۔ لیکن اسی طرح کھڑی رہی۔ بادشاہ نے ہاتھ بڑھا کر اُسے اپنے ساتھ پلنگ پر بٹھا دیا۔ اور باتوں میں مشغول ہو گیا۔ جب عصر کی آذان ہوئی تو بادشاہ اٹھا۔ بی بی صاحبہ نے جلدی سے بادشاہ کے جوتے سیدھے کر دیئے۔ بادشاہ ہنس کر اس کی بیٹھ تھپکی اور کہا کہ میں جانتا ہوں

کہ یہ سب تعلیم ملک احمد کی دی ہوئی ہے ۔ یہ سب آداب تمہیں
اسی نے سکھائے ہیں ۔ اس کے بعد کہا کہ میں تم سے اور تمہاری
قوم سے راضی ہوگیا ۔ تمہاری خاطر انہیں معاف کر دیا ۔ اس کے
بعد بادشاہ باہر نکل کر چلا گیا ۔ (فی الواقع یہ تمام طور و طریق اور
مجلسی آداب ملک احمد کی تربیت کی وجہ سے تھے ۔)

اس کارِ خیر کے بعد بادشاہ موضع دیاروں سے مراجعت
کر کے باجوڑ کے راستے کابل تشریف لے گئے ۔ اور بی بی مبارکہ
کو انتہائی اعزاز کے ساتھ کابل پہنچایا جو اس کی شریک حیات اور
چہیتی بیوی تھی ۔ اس بناء پر بادشاہ کے سارے اہل حرم کا اس کے
ساتھ بغض و حسد دامنگیر ہوا ۔ اور ان کے دلوں میں یہ اندیشہ پیدا
ہوا کہ اگر اس کا بیٹا تولد ہو جائے تو اغلباً سلطنت اور بادشاہت
افغانوں میں چلی جائیگی ۔ اس لئے بی بی مبارکہ کو پوشیدہ طور سے
کوئی دوائی کھلا دی کہ وہ دائمی طور سے بانجھ ہو کر رہ گئی تھی ۔ اسی
وجہ سے اُسکے کوئی اولاد نہ ہوئی ۔

رشتہ کے بعد دوستی اور تعلقات بادشاہ کے ساتھ استوار
ہو گئے ۔ بی بی مبارکہ کی خبر گیری کیلئے جانبین سے آدمیوں کی ہمیشہ
آمد و رفت جاری رہتی تھی ۔ چند سال بعد بابر ہندوستان آیا ۔ اور
تمام ہندوستان کو مسخر کر لیا ۔ بی بی مبارکہ کے بھائی میر جمال ملک نئی
مذکور ایک جماعت کے ساتھ بی بی مبارکہ کی خبر گیری کیلئے آئے ۔
بادشاہ کی ملازمت اختیار کی ۔ بادشاہ اس پر مہربان ہوا اور جاگیر

و منصب سے سرفراز کیا ۔

بابر بادشاہ کی رحلت کے بعد نصیر الدین ہمایوں کے دور میں
بھی بی بی مبارکہ اسی طرح صاحب عزت و وقار رہی ۔ بلکہ اس سے
بھی زیادہ معظم و محترم ہوگئی ۔ دارالسلطنت لاہور میں قوم فرمولیان
کے محلے میں بڑے بڑے قصر عالیشان حویلیاں رکھتی تھیں ۔ بی بی مبارکہ
افغانی آغاچہ کے نام سے پکاری جاتی تھی ۔ اور اپنی بیش بہا خوبیوں
اور عقل و فراست کی بناء پر بڑی عزت کی نظر سے دیکھی جاتی تھی ۔ اور
ہمایوں جب ہندوستان میں شیر شاہ سے شکست کھا کر بھاگا تھا ۔
تو افغانی آغاچہ اس کے ساتھ تھی ۔

اکبر بادشاہ کے عہد میں اس کے بھائی میر جمال کے بیٹے اور پوتے
بھی حسب دستور سابق جاگیردار اور منصب دار تھے یہاں تک
کہ جہانگیر کے عہد سلطنت میں بھی اس کے ایک دو پوتے معزز و
موقر تھے ۔ میر جمال نے اکبر بادشاہ کے زمانے میں وفات پائی ۔ بی بی
مبارکہ نے اپنی زندگی انتہائی دولت اور عزت میں گزاری ۔ حتیٰ کہ بڑی
بوڑھی ہوگئی تھی ۔ اکبر بادشاہ کے عہد میں وفات پاگئی ۔ غفر اللہ لہا

مترجم رشید احمد ندوی ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں ۔
کہ ۔ "خود بابر اپنی تزک میں یوسف زئی بادشاہ کی بیٹی سے
نکاح کا ذکر کرتے ہوئے اس بات کا اعتراف کرتا ہے ۔ کہ
اس نے خود یہ خواہش ظاہر کی تھی اور یہ یوسف زئی بادشاہ
نہ تھا ۔ جو دلہن کو بادشاہ کے حضور لایا تھا ۔ یہ اسکا بھائی تھا"۔
(ہمایوں نامہ تصنیف گلبدن بیگم بنت بابر بادشاہ ص ۲۹-۲۹۸)

ذیل کی تحریر سے تزک بابری میں رشتے کے بارے میں صاف ظاہر ہے
کہ یہ رشتہ عام اصولوں کے مطابق تھا ۔
"اس خیال سے کہ یوسف زئی افغانوں سے مضبوط رشتہ استوار
ہو جائے ۔ ان سے درخواست کی گئی (چنانچہ انہوں نے منظور
کر کے ۲۸ / محرم ۹۱۵ھ کو شاہ منصور کے بھائی طاؤس خان
دلہن کی ڈولی کے ساتھ آئے"۔
(تزک بابری اردو ترجمہ رشید اختر ندوی ص ۱۴۷)

مولوی ذکاؤاللہ دہلوی لکھتے ہیں ۔
کہ ۔ شہنشاہ بابر نے شمال مشرقی قوموں کے مطیع بنانے میں
سخت کوشش کی ۔ جن میں سے بعض قوموں کے تابع بنانے
میں کامیاب ہوا مگر وہ یوسف زئی قوم کے مغلوب کرنے میں
بالکل ناکام رہا ۔ نہ وہ صلح و آمیزش کی تدبیروں سے اس
کو اپنے بس میں لا سکا اور نہ اس کے ملک کے اس حصہ

پر جس کو اس کی رسائی ہوئی سخت غارت گر حملہ آوری
سے فتح یاب ہوا"۔
(اقبال نامہ اکبری جلد پنجم ص ۵۳۷)

بابر کا ذکر ختم ہوا ۔ اب ہم اصل واقعہ کی طرف لوٹتے ہیں ؛

جب بابر دیاوون سے مراجعت کر کے کابل چلا گیا تو یوسف زئی
مورا نامی پہاڑ سے اتر آئے ۔ اور سلطان اویس ابن سلطان پکھل کے
خلاف مہم میں مشغول ہو گئے ۔ انہیں جب موقع ملتا تو سلطان کے
لوگوں کو قید کر لیتے تھے ۔ اور ان کے ملک اور دیہاتوں کو تہس نہس
کرتے رہے ۔ یہاں تک کہ سلطان اویس عاجز آ گیا ۔ اور آخر کار
اپنے تمام متعلقین اور فوج وغیرہ کے ساتھ قلعہ منگلور سے نکل گیا
اور ملک سوات کو چھوڑ دیا ۔
سلطان اویس وادئ دریائے سوات پار کر کے تاج خیلہ
گئے ۔ اس کے بعد پہاڑ کو عبور کیا ۔ جس میں چار مونہ ٹنگ گئے
بعد ازاں نیاگ درے چلے گئے ۔ اور وہیں مقیم ہو گئے ۔ نیاگ درہ
پہاڑوں کے درمیان ایک مقام ہے ۔ یہ سارا علاقہ آبی اور چشمہ دار
و سبزہ زار ہے ۔ اور ربیع کے دنوں میں چاروں طرف بڑی مقدار
میں گھاس اور سبزہ ہوتا ہے ۔ اس کے اردگرد ڈوماکفار آباد تھے
اور اب بھی یہاں سب کے سب ڈوماکفار ہی آباد ہیں ۔ سلطان
نے وہاں ایک شاندار اور مضبوط قلعہ تعمیر کرایا ۔ اور اس کا نام لاہور

رکھا۔ جس کے اردگرد ڈوما کفار کے دیہات تھے۔ ان سب کو
اپنے تصرف و رعیت میں لے لیا۔ اور جیسے کہ پہلے صاحب جاہ
تھا اسی طرح پھر صاحب شوکت اور سلطنت کا مالک بن گیا۔ اور
مدت دراز تک بادشاہت کرنے کے بعد بدنی عارضے میں وفات
پاکر وہیں مدفون ہوا۔ فیروز شاہ اور قزان شاہ نام دو بیٹے اسی کی
یادگار تھے۔ بڑا بیٹا فیروز شاہ باپ کا جانشین ہوا۔

ایک دن قزان شاہ سیر و شکار کی غرض سے پہاڑ کی چوٹی پہ
چڑھا ہوا تھا۔ اتفاقاً اس روز یوسف زئی کا دھاڑا جو ملک جوکا
الیاس زئی کی سرپرستی میں جاسوسی کیلئے آیا ہوا تھا۔ قزان شاہ
اس کی زد میں آگیا۔ ایک یوسف زئی نے اسے تیر مارا اور وہ گھوڑے
سے گر کر مرگیا۔ ملک جوکا الیاس زئی قزان شاہ کا سر کاٹ کر
لایا اور خان گجو کی خدمت میں پیش کردیا۔ خان گجو اس وقت
غوریا خیل کی مہم کے سلسلے میں نکلا ہوا تھا۔ اور اس وقت
وہ دوآبہ میں دریا کے کنارے مقیم تھا۔ فیروز شاہ نے مدت دراز
تک بادشاہت کی۔ اور عمر رسیدہ ہوکر مرا۔ فیروز شاہ کی حکومت
اس کے بیٹے سلطان ماد کے حصے میں آئی۔ سلطان ماد کے بعد
زین اعلیٰ اسکا جانشین ہوا۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے کئی پشتوں
تک سلطنت اسی خاندان میں رہی۔ حاصل کلام یہ کہ جب سلطان
اویس منگلور سے چلا گیا۔ تو متراوی علاقے کے سوا سارا سوات
یوسف زئیوں کے قبضے میں آگیا۔

کہتے ہیں کہ یوسف زیوں نے سلطان اویس کا سارا ملک
سولہ سال کے اندر اندر اپنے تصرف میں لے لیا۔ اور سترہویں سال
متراویوں کے علاقے کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور ان کے خلاف فوج
کشی کی۔ متراویوں کا سربراہ ملک حسن سر تسلیم خم نہ کرنیوالا بہت
سخت شخص تھا۔

متراویوں کا ملک بڑا وسیع ہے۔ اور دریائے سوات کی جنوبی
طرف واقع ہے۔ دریائے سوات منگلور تک شمال کی طرف سے
کاشغر سے آتا ہے۔ اور منگلور سے دریائے پنجکوڑہ تک مغرب کی
سمت میں بہتا ہے۔ پنجکوڑہ سے پھر دونوں دریا دریائے آگرہ اور
اشنغر تک جنوب کی جانب بہتے ہیں۔ اس کے بعد دریائے پشاور
میں گرجاتا ہے۔

متراویوں نے جب یوسف زئی کی لشکر کشی کی خبر سنی تو سخت
گھبرائے اور اطراف و جوانب سے اکھٹے ہوکر بانگرام (بلوگرام) میں
قلعہ بند ہوگئے۔ بانگرام (بلوگرام) ایک قلعہ کا نام ہے۔ جو پہاڑ
کی چوٹی پر واقع ہے۔ اور نہایت مضبوط اور اونچا ہے۔ اور چونکہ پہاڑ
سے گھرا ہوا ہے۔ اس لئے دشمن اس پر آسانی سے حملہ نہیں کرسکتا
ملک حسن متراوی اپنے عزیزوں اور سپاہیوں کے ساتھ اس میں رہتا
تھا۔ اور دوسرے لوگ قلعے کے باہر اردگرد کے دیہات میں رہتے تھے
یوسف زئی کے لشکر نے کاٹیلئی (مینگورہ) میں ڈیرے ڈال دیئے۔
متراویوں کے تمام علاقہ میں یہی جگہ ہموار بھی تھی۔ باقی وہ سارا ماحول

پہاڑی ہے۔ یوسف زئی ہر روز قلعے کے قریب جاتے۔ مترادی بھی
قلعے سے نکلتے اور باہم لڑائی لڑتے۔ ایک رات کو رحیم داد ابن
احمد منڈڑ اپنے قبیلہ خدرزئی کے ساتھ چھپ کر گیا۔ اور پہاڑ کے اوپر
چڑھ کر چوٹی پر قبضہ کرلیا۔ مترادیوں میں سے کسی کو خبر بھی نہ ہوئی۔
جب صبح ہوئی تو یوسف زیوں کا عظیم لشکر قلعہ کیطرف روانہ ہوا۔
مترادی بھی حسب معمول قلعے سے نکل کر مقابلہ کیلئے سامنے آئے اور
جنگ شروع کی۔

لڑائی میں پہل پائی ابن ایسکو بانی زئی یوسفزئی نے کی۔
اور حاجی شاہ نامی مترادی پر وار کیا۔ اس لئے کہ زنگی نام کا اس کا
بھائی کچھ دنوں پہلے مترادیوں کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ مگر تمام مترادی
نے پائی پر نیزے سے حملہ کیا۔ نیزہ پائی کے زرہ میں پیوست ہوگیا
پائی اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور گھوڑے سے گر گیا۔ پیر علی ابن
میرک ملی زئی نوری زئی نے آگے بڑھ کر تلوار سے نیزے کے دو ٹکڑے
کردیئے۔ اس طرح آدھا نیزہ مترادی کے ہاتھ میں رہ گیا۔ اور آدھا
پائی کے زرہ میں پھنس کر رہ گیا۔ اس کے بعد دونوں لشکروں کے
درمیان جنگ شروع ہوگئی۔ جب مترادیوں نے لوگوں کو چوٹی پر
دیکھا تو سراسیمہ اور پریشان ہوکر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اور قلعے
کے اندر جا گھسے۔ یوسف زیوں نے قلعے کا محاصرہ کرلیا۔ اوپر اور نیچے
سے جنگ ہوتی رہی۔ اسی اثنا میں رحیم داد ابن احمد خدرزئی بھی اپنے
آدمیوں سمیت پہاڑ سے اتر آیا۔ پناہ گاہ اور خندقیں قلعے کے قریب

تیار کیں اور تمام دن باہم لڑتے رہے۔ جب ایک حصہ رات گذر گئی
مترادی قلعے کے ایک طرف سے جہاں مٹی کا تودہ ہونے کی وجہ
سے خندق یا پناہ گاہ کیلئے جگہ نہ تھی۔ نکل کر بھاگ گئے۔ اور سارا
مال و متاع چھوڑ گئے۔ چند آدمیوں کو محض اس لئے قلعے میں چھوڑ
گئے۔ کہ رات کو شور و غوغا و ہاؤ ہو کرتے رہیں۔ تاکہ یوسفزئی
یہ نہ سمجھ سکیں کہ مترادی بھاگ رہے ہیں اور انہیں ہدایت کردی
کہ صبح کے وقت وہ بھی بھاگ آئیں۔

الغرض تمام مترادی رات کے اندھیرے میں بھاگ گئے۔
جب صبح ہوئی تو باقی ماندہ لوگ بھی بھاگ نکلے اور پہاڑوں میں گھس
گئے۔ صبح کو یوسف زئی کو معلوم ہوا کہ قلعہ خالی ہے تو قلعے میں
داخل ہوگئے۔ اور اسے لوٹ لیا۔ اس قلعے میں سے بے انتہا
مال و اسباب اُن کے ہاتھ لگا۔ اب مترادیوں کا سارا ملک بھی یوسفزیوں
کے قبضے میں آگیا۔

مترادی کئی برسوں تک پہاڑوں میں سرگردان و پریشان پھرتے
رہے۔ بالآخر اطاعت قبول کرلی۔ اور آہستہ آہستہ تمام مترادی
آکر اپنے اپنے مواضعات میں رعیت بن کر آباد ہوگئے۔ یوسفزیوں
نے سارا سوات آپس میں تقسیم کرلیا۔ اور سب اپنے اپنے حصے سے
مطمئن ہوگئے۔ البتہ ملک حسن اور اس کے متعلقات شرم و ندامت
کے باعث جلاوطنی و محنت کشی اختیار کرتے ہوئے پہاڑوں میں
بستے رہے۔ جب ملک حسن کا انتقال ہوگیا۔ تو اس کے اقارب نے

بھی یوسف زئی سے واپسی کی اجازت کی التجا کی اور یوسف زئی کی رعیت کی حیثیت سے رہنے پر آمادہ ہوگئے۔ چنانچہ یوسف زئی نے بخوشی اُسے مراعات کے ساتھ قبول کیا۔

قلعہ بالگرام (بلوگرام) کی فتح کے بعد پورے سوات پر یوسفزئی کا قبضہ ہوگیا۔ اور کوئی ان کا منازع و متقابل باقی نہ رہا۔ اسی طرح سترہ ویں سال میں سارا سوات ان کے تصرف میں آگیا۔ اور اسی اثنا میں یوسفزئی کے اکثر سردار جنہوں نے سوات کی مہم کا آغاز کیا تھا اور ابتدائی جنگیں لڑی تھیں۔ جیسے ملک قرہ خان بجو کے والد، اور موسیٰ ابن ایسکو بھائی زئی اکوزئی اور موسیٰ ابن ابابکر کناذئی اتمان منڈر اور ملک محمود بن یحییٰ اکوزئی علاؤالدین زئی (ادین زئی) اور اس پایہ کے دوسرے بڑے بڑے سردار وفات پا گئے تھے۔ ملک قرہ کی قبر موضع تھانہ میں بہت مشہور و معروف ہے۔ موسیٰ ابن ایسکو کی قبر درگئی سخاکوٹ کے درمیان موضع خان گھڑی سے بطرف مشرق ایک قدیم قبرستان میں مشہور ہے۔ موضع موسیٰ مینہ اس کی سکونت کے سبب اس کے نام سے منسوب ہے۔

اس وقت موسیٰ کی اولاد سوات میں مواضعات کوٹہ، ابوھہ وغیرہ میں آباد ہیں۔ اور موسیٰ خیل کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَلَھُمْ وَلِجَمِیْعِ الْمُؤْمِنِیْن۔

کہتے ہیں کہ اس کے بعد ملک احمد کی ریاست کا سلسلہ بڑھتا گیا۔ اور دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کرتا رہا۔ تمام خشی قبائل

(یعنی یوسف زئی، گگیانی، ترکلانی، محمدزئی) بلکہ دوسرے اکثر افغان بھی اس کے مطیع اور فرمانبردار ہوگئے۔ اور اس کی ملک گیری کے غلغلے اطرافِ عالم میں پھیل گئے۔

شیخ ملی کی وفات

اس کے چند سال بعد شیخ ملی نے کسی مرض میں مبتلا ہوکر اپنے گاؤں فانیگے میں وفات پائی۔ اور اراکینِ جرگہ نے سیاسی مصلحت کی بنا پر مقام "غوربندے" یعنی سوات کے عین درمیانی حصہ جو بلوگرام کے قریب بطرفِ مشرق دمغار جانیوالی شاہراہ کے شمالی کنارے ایک ہموار قطعہ زمین میں مدفون کیا۔ اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائیے۔

وہ ملک احمد کے ماتحت سارے یوسف منڈر (یعنی یوسفزئی) کا مقتدا تھا۔ اور ان کی ہر مصیبت اور ہر مہم میں شریک اور غمخوار تھا۔ تمام دیہات، قبیلے، ممالک اور گھر اس کی تقسیم پر آباد تھے۔ اور ابھی تک اس کی تقسیم یوسف منڈر بلکہ تمام خشی وغیرہ خیل قبائل میں جاری وساری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کبھی زمین کے متعلق یوسفزئی میں کوئی تنازعہ پیش آتا ہے۔ تو غصے میں ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ کیا تم یہ شیخ ملی سے لکھ کر لائے ہو۔ یعنی کیا یہ زمین تمہیں شیخ ملی نے دی ہے۔ جو دعویٰ کرتے ہو۔ مخفی نہ رہے کہ وہ مہر جس کے لگانے سے شیخ ملی اپنا حکم صادر فرماتے راقم الحروف

روشن خان کے پاس موجود ہے)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ ملی کا کیا ہوا بندوبست اور تقسیم اراضی لوگوں کے نزدیک اب تک مستند ہے۔ اور وہ اس سے انکار نہیں کرسکتے۔

واضح رہے کہ شیخ ملی کی اولاد اس دوران ٹوپی، مینی وغیرہ تحصیل صوابی میں آباد ہیں۔ اور تحصیل ہری پور میں بھی آباد ہیں۔

ملک احمد کی وفات

شیخ ملی کی وفات کے ایک سال بعد ملک احمد نے بھی انتقال کیا۔ اور سوات میں اللہ ڈنڈ ڈیری اور موضع تھانہ کے درمیان شاہراہ کے متصل جنوبی کنارے مدفون ہوئے۔ اس وقت یہ مقام مرکزی حیثیت رکھتا تھا۔ اور ملک احمد کی سکونت بھی یہیں تھی۔ اور وہیں وفات پائی۔ ملک احمد کی اولاد مواضعات یار حسین اور یعقوبی وغیرہ تحصیل صوابی میں آباد ہیں۔ اللہ اسکی مغفرت کرے۔ آمین۔

اس کے انتقال پر سارے یوسف زئی بلکہ پورے پختون قبائل میں گاؤں گاؤں اور گھر گھر میں ماتم برپا ہوگیا تھا۔ اس کے غم میں ہر کوئی اشک بار اور ماتم کناں تھا۔ اس جیسا عالی شان اور ملک گیر اور دانا و دلاور شخص اس کے بعد سارے پختونخواہ میں کوئی دوسرا پیدا نہ ہوا۔ البتہ اسکے بعد صرف خان گجو کا نام لیا جاسکتا ہے۔

خان گجو کی سرداری

ملک احمد کے بہت سے بیٹے تھے۔ جن میں سے صرف دو نامور تھے۔ ایک اللہ داد اور دوسرا اسماعیل۔ یہ دونوں ملک احمد کی حیات میں جوان ہوگئے تھے۔ مگر ان دونوں میں سرداری کے مقابلے میں اختلاف پیدا ہوگیا۔ اور باہم کینہ اور حسد میں مبتلا ہوگئے۔ دوسرے اقرباء سے بھی لڑتے جھگڑتے رہتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کام کے قابل کوئی آدمی نہ رہا۔ سب آپس ہی میں لڑ جھگڑ کر ختم ہوگئے اس لئے قوم نے آپس میں جرگہ کرکے فیصلہ کیا کہ ان میں ایک بھی سرداری کا اہل نہیں۔ انہوں نے ایکدوسرے کو قتل کردیا۔ اب اُن میں کام کا کوئی آدمی باقی نہ رہا۔ اس لئے ضروری ہے کہ کوئی ایسا قابل آدمی ہو جسے قوم کی یہ ریاست اور حکومت سونپ دیجائے۔ چنانچہ بہت غور و خوض کرنے کے باوجود انہیں خان گجو کے سوا کوئی دوسرا آدمی نظر نہیں آیا۔ جو قوم کی راہنمائی اور ریاست کے اس منصب کا اہل ہو۔ خان گجو کے بچپن ہی سے بزرگی کے آثار اس کی پیشانی سے ظاہر تھے۔ مندڑ کے تمام قبائل میں قوت اور شوکت کے لحاظ سے بھی وہ سب پر فائق تھا۔ اس کے عزیز و اقارب بھی سب سے زیادہ تھے اور سب دولت مند اور مرد میدان بھی تھے۔ اس لئے تمام اراکین لویا جرگہ نے سب لوگوں کے بالاتفاق اُسے مسند ریاست تفویض کردی۔ اور "خان" کے لقب سے ملقب کردیا

خواص وعوام سب اُسے خان کہتے تھے۔ چونکہ وہ لائق وقابل تھا اس لئے اس کا کام دن بدن ترقی کرتا رہا۔ یہاں تک کہ بامِ ترقی کو پہنچا اور تمام اہالیانِ پختونخواہ اس کے مطیع ومنقاد ہوگئے۔

اس تاریخ سے ملک "تاج الدین رنڑ" کے گھرانے سے سرداری نکل گئی۔ اور اس کی اولاد نے اپنا آبائی اور جدی مقام کھو دیا۔ اگرچہ اب بھی اس گھرانے میں نامور لوگ موجود ہیں۔ چنانچہ ان میں سودا نامی ملک زیور کا بیٹا بڑا معزز اور معتبر آدمی ہے۔ اور آج جبکہ ۱۰۲۳ھ ہجری ہے۔ ملک سودا حیات ہے۔ اسی طرح ملک احمد کے چچازاد بھائی شاہ منصور کی اولاد میں سے بھی چند آدمی نورالدین محمد جہانگیر بادشاہ کی خدمت میں ہندوستان میں موجود ہیں۔

خان گجو یا خان کجو جو کہ ایک شخص کے دو مختلف نام ہیں۔ ملک قرہ کا بیٹا اور بہزاد کا پوتا جو بچپن ہی سے عمدہ اخلاق اور پسندیدہ خصائل کا حامل تھا۔ انتہائی قابلیت اور لیاقت کی وجہ سے امارت کے آثار اس کے پیشانی میں چمک رہے تھے۔ اور ہر کسی کو یہ توقع تھی کہ وہ یقیناً اوجِ کمال کو پہنچے گا۔ اور امارت وصدارت کی کرسی پر متمکن ہوگا۔ جس طرح کہ اس کے والد بزرگوار ملک قرہ ابن بہزاد عالی مرتبت وبلند پایہ صدوزئی منڈڑ تھا۔ چنانچہ ملک احمد کے بعد وہی قوم کا سردار بنا۔

واضح رہے کہ صدوزئی کی پانچ ذیلی شاخ ہیں۔ بہزاد خیل بابا خیل میراحمد خیل، خدو خیل اور عمر خیل۔ یہ صدو ولد اُتمان منڈڑ کے پانچ بیٹوں کی اولاد ہیں اور انکی آبادیاں اسوقت صوابی تحصیل "تپہ خدو خیل" چملہ کے مشرقی حصہ میں ہیں۔

الغرض خان گجو اہلِ کُنبہ کی کثرت اور جنگ جو جوانوں کی تعداد کے لحاظ سے بھی یہ لوگوں پر غالب اور بھاری تھا۔ اور دولت وثروت کی وجہ سے بھی سارے منڈڑ میں متمول ترین تھا۔ اس کی والدہ بڑی عاقلہ، مدبرہ، صالحہ اور عفیفہ خاتون تھی۔ جس کا نام "مُوندہ" تھا اس جیسی لائقہ وفائقہ دوسری عورت پختونخواہ میں نہیں گزری۔ خان گجو کے بہت سے سگے بھائی تھے۔ اور ہر ایک ریاست وسیاست میں قابل اور ہر ایک بہت نامور اور معروف تھا۔

مختصر یہ کہ جب خان گجو مسندِ ریاست وامارت پر متمکن ہوا تو ممالکِ مقبوضہ کی حفاظت اور بلادِ مفتوحہ کی حراست اور ملکی امور کے انتظام اور عوام الناس کے بندوبست میں ملک احمد سے فائق اور لائق ثابت ہوا۔ ملک کے افغان اور دیگر سارے باشندے دہگان، گوجر، ہندی، نیلابی، سواتی، تنولی اور کوہستانی کافر سب اس کے مطیع وتابع فرمان ہوگئے۔ اس کے عہدِ امارت میں ملک بہت زیادہ آباد وخوشحال ہوگیا۔ رعیت اور لشکر بھی ملک احمد کے وقت سے زیادہ ہوگیا۔ چنانچہ ہر کسی کے پاس ایسے اچھے ہتھیار اور بہترین گھوڑے موجود تھے۔ جو کہ امیروں اور بادشاہوں کی سرکار کے لائق ہوں۔ اور یہ بات تمام عالم میں مشہور تھی۔ کہ خان گجو کے زمانے میں یوسفزیوں میں ایک لاکھ نیزے تھے یعنی ایک لاکھ سوار وپیادہ نیزہ باز تھے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ خان گجو بادشاہ ہوگئے تھے۔ اور کئی برسوں تک سلطنت وامارت کی ابتہ

کمی صرف یہ تھی کہ سکہ ان کے نام نہ چلتا تھا اور خطبے میں ان کا نام نہ لیا جاتا تھا۔

خان گجو کی وفات

خان گجو نے کئی برسوں تک نہایت عدل و انصاف اور شان و شوکت سے حکمرانی کی۔ اس کے ساتھ ہی اُس سے بعض کرامات و خوارق بھی ظاہر ہوئے تھے۔ وہ مستجاب الدعوات تھا۔ ہر کوئی اُس سے استمدادِ باطنی طلب کرتا تھا۔ اور اس کی دعا سے لوگوں کے دینی اور دنیاوی مقاصد حاصل ہوتے تھے۔ مظلوم کی حمایت اور ظالم کو سخت سزا دینے میں مشہور تھا۔ امن و امان برقرار رکھنے کا زیادہ خیال رکھتا تھا۔ انصاف اور بیداری سے حکمرانی کرتا۔ اس کے وقت میں ہر طرح سے آرام و سکون رہا۔ جب عمر رسیدہ ہوگئے۔ تو علاقہ صوابی میں اقامت اختیار کرلی۔ اور وہیں کچھ مدت کے بعد وفات پاگئے۔ ایک پہاڑی کے دامن میں جو خان گجو کی پہاڑی (گجوانو ڈیری) کے نام سے مشہور ہے۔ دفن کئے گئے اللہ ان کی مغفرت فرمائیں۔

اس وقت خان گجو خان کی اولاد و خاندان مواضعات کلابٹ و سلیم خان تحصیل صوابی ضلع مردان میں آباد ہیں۔

تجزیہ

خان گجو ہمایون بادشاہ کا ہم عمر اور ہم عصر تھا۔ خان گجو کے عہد حکومت میں کابل میں کامران، آگرہ اور دہلی میں ہمایون حکومت کرتا تھا۔ اس کے بعد ہندوستان کے حکمران شیر شاہ پھر اس کا بیٹا سلیم شاہ ہوا۔ خان گجو یا گجو ایک ہی شخص کے دو مختلف نام ہیں۔ بڑا اقبال مند شخص تھا۔ اس کے زمانہ میں اس کا کوئی مدِ مقابل نہ تھا۔ پختون ہوتے ہوئے شیر شاہ نے بھی خان گجو کے حدودِ سلطنت پر کچھ تعرض نہیں کیا۔ اس طرح سے بشام، بالاکوٹ، کوہ مرگلہ اور پنڈی گھیپ سے خیبر، ننگرہار، کنڑ، بدخشان، دیر، باجوڑ اور جلال آباد تک کا پورا علاقہ پر سکون رہا۔ نیز مغل شکستہ حال ہو چکے تھے اور اس وقت ان کا اس علاقہ میں کچھ اثر نہیں رہا تھا۔ جیسا کہ "دی پٹھان" کا مصنف مسٹر کیرو لکھتا ہے۔

کہ — "پٹھانوں کے میدانی یا پہاڑی علاقوں پر بابر، کامران یا ہمایون کے زمانے میں کوئی مغل حکومت قائم نہ تھی یہ حکمران زیادہ سے زیادہ مشکل ترین راستوں کی حفاظت کا انتظام کرتے رہے۔ یا افغان قبائل کی حمایت اس وجہ سے حاصل کرنے کی کوشش ہوئی کہ وہ ان کے خاندانی جھگڑوں میں کام آسکیں"۔

مسٹر کیرو آگے یہ بھی لکھتا ہے۔

کہ — "یوسف زئی قبائل جن کا لیڈر خان گجو تھا مغل اقتدار کو تسلیم

نہیں کرتے۔ ہمایوں (کابل سے ہندوستان جاتے ہوئے) پشاور کے راستے سے نہیں گزرا بلکہ اُس نے مجبوراً پاڑہ چنار کوہاٹ کا راستہ اختیار کیا۔ جو بُری حالت میں تھا۔"

آگے پھر لکھتا ہے۔

کہ :۔ خلاصہ یہ ہے کہ بابر اور ہمایوں کی اموات کے درمیان ۲۵ سال کے عرصہ میں دریائے سندھ کے آر پار کا پورا علاقہ جس میں وادیٔ پشاور اور میدانی و پہاڑی علاقہ شامل ہیں۔ مغلوں کے زیر اقتدار نہیں رہے۔" (دی پٹھان از کیرو)

دسے کۂ دغرۂ دی یوسف زی
خمکی زمری دی مۂ ئے وے زوال
(خوشحال خان خٹک)

چه یے نوم دیوسفزو په غوګو واوریده
حوونه زیره مغلانوکښې به دم نهٔ وو!
چه یے توره دمرانے ترنې پتھیکی!!
وجه داده یوسفزو سره قلم نهٔ وو

امیر محمد ملک زئی زرڈ یعقوبی

(صوابی)

تحقیق جدید

امام اعظم نسلاً افغان تھے۔ ڈاکٹر ابو الفضل بخت روان پشاور یونیورسٹی لکھتے ہیں۔

"دمشق یونیورسٹی کے اکاڈیمی آف عربی زبان کے عضو ڈاکٹر کارل شتوز مستشرق اپنے مقالہ اللغة العربية فے افغانستان میں یوں رقم طراز ہیں۔" وابو حنيفة النعمان بن ثابت موسس المذهب الحنفی کان من الاصل الافغان لان جده اسر عند فتح مدينة کابل ودخل الى الكوفة"

ترجمہ۔ ابو حنیفہ نعمان بن ثابت جو حنفی مذہب کے بانی ہیں۔ نسلاً افغان تھے۔ ان کا دادا کابل شہر کے فتح کے وقت گرفتار کر کے کوفے میں داخل کر دیئے گئے۔ ملاحظہ ہو مجلہ مجمع العلمی العربی بدمشق جلد ۳۰ جزء ۳ ص ۳۶۷ جنوری ۱۹۵۵ء (بحوالہ ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک بابت اگست ۱۹۶۳ء ص ۳۷)

امام صاحب کے متعلق مزید تحقیق کیلئے "تذکرہ" اشاعت سوم (پٹھانوں کی اصلیت اور ان کی تاریخ) تصنیف روشن خان ملاحظہ فرمائیں۔

حرفِ آخر

اسوقت جبکہ کتاب "ملکہ سوات" کے آخری صفحات پریس کے حوالے کر دیئے جانے ہیں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس کی زبان اور طباعت کی اغلاط کے بارے میں اپنا عذر بھی آپکی خدمت میں پیش کر دوں۔ میری مادری زبان پشتو ہے۔ اردو نہ تو میری مادری زبان ہے نہ میں نے اسکی باقاعدہ تحصیل کی ہے۔ اور لکھنے کی مشق تو حواشی "نوادرِ تاریخ" حافظ رحمت خانی کی تالیف سے پہلے بالکل نہ تھی۔ اس کے علاوہ یہاں میری ساری توجہ زبان کی درستگی اور عبارت آرائی کی بجائے صرف تاریخ اور حقیقت کی ترجمانی پر مرکوز رہی ہے۔ اسلئے اگر آپ اسکی زبان میں تذکیر و تانیث یا جمع واحد یا الفاظ کے تقدیم و تاخیر اور ترکیب میں غلطیاں پائیں۔ تو قرین قیاس ہے۔

آخر میں گذارش ہے کہ کسی علاقہ، ملک یا قوم کی تاریخ مرتب کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے خصوصًا ایسی حالت میں کہ صدیوں سے اس طرف توجہ نہ دیگئی ہو۔ بدیں وجہ زیر مطالعہ اوراق میں فروگذاشتوں کا ہونا ناگزیر ہے۔ ان حالات میں ہم قارئین سے گذارش کریں گے۔ کہ وہ ان پر ہمدردانہ نظر ڈالیں اور نکتہ چینی کے بجائے مجھے کوتاہیوں اور فروگذاشتوں کیطرف متوجہ کریں۔ اور مستند معلومات اور نیک مشوروں سے مجھے مستفید ہونے کا موقع دیں۔ تاکہ اس کتاب کے آئندہ اشاعت کو پشتو زبان میں دلچسپ بنایا جاسکے۔

روشن خان ولد محمد زمان خان
موضع نواں کلی تحصیل صوابی
مردان (پشاور)

تبصرہ

عبداللطیف اعظمی

تذکرہ

(پٹھانوں کی اصلیت اور ان کی تاریخ)

زیرِ تبصرہ کتاب کی تالیف کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ بقول فاضل مؤلف روشن خان پٹھانوں کے متعلق بہت سی تاریخیں لکھی گئی ہیں ان میں پٹھان مصنفوں کی لکھی ہوئی بھی ہیں اور غیر پٹھان اہل قلم کی لکھی ہوئی بھی ہیں لیکن ایسی کوئی کتاب نہیں ہے جس میں پٹھانوں کی تاریخ اپنی اصلی شکل میں آئی ہو۔ یہ خامی دونوں قسم کے اہل قلم کی کتابوں میں موجود ہے۔ اس کی وجہ سے فاضل مؤلف کے خیال میں پٹھانوں کو شدید نقصان پہنچا، ان کے بارے میں شدید غلط فہمیاں پیدا ہو گئیں ...... یہ غلط بیانیاں تاریخ کے کسی ایک واقعہ یا سیرت کے کسی ایک پہلو تک محدود نہ تھیں بلکہ پٹھانوں کی اصل و نسل، ان کی تاریخ، ان کی روایات، ان کے اسلاف کے تذکروں، ان کی خدمات کے بیان اور اقوام عالم میں ان کے تاریخ ساز کردار، غرض کہ ان کی قومی زندگی کے ہر گوشے اور ہر پہلو تک پھیلی ہوئی تھیں۔ (صفحہ ۱۱) اس کے مقدمے میں ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری لکھتے ہیں: اس قوم کی مظلومیت کا اندازہ کون کر سکتا ہے جس کی سادگی کو خست، سادہ لوحی کو بے وقوفی، کم علمی کو بے تہذیبی، جس کی اصلاح کی کوشش کو گمراہی، جس کی دین داری کو ضلالت، جس کی غیرت کو جہالت، جس کے فکر و عقیدے کی پختگی کو ہٹ دھرمی، جس کی حریت و استقامت کو ضد، جس کی حق گوئی کو شرارت، حریت طلبی کو بغاوت، غرض کہ جس کے ہر سفید کو سیاہ اور جس کے ہر خوب کو ناخوب بنا کر پیش کیا گیا ہو۔ (صفحہ ۲۰)

روشن خان صاحب کا خیال ہے کہ پٹھانوں کا سلسلۂ نسب بنی اسرائیل سے ملتا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک معزز اور حکمران قبیلہ بنی پخت تھا۔ وزارت عظمٰی اور فوجوں کی کمان انھیں کے ہاتھوں میں ہوتی تھی اور حضرت سلیمان کے عہدِ حکومت میں بھی ان ہی کا زیادہ اثر تھا ...... جب یہ قبیلے مشرقِ اردن میں سے بخت نصر آشوری کے ہاتھوں قیدی بن کر جلاوطن کیا گیا اور مشرق میں اسے اسرائیلیہ کے پہلے جلاوطنوں کے ساتھ جو ان کے ہم نسل تھے بسایا گیا تو بنی پخت کی نامی گرامی شہرت کے سبب سارے جلاوطنوں کا قومی نام پختون ہوا (صفحہ ۶۱)

اس کتاب میں برِ صغیر پر پٹھانوں کی حکومت، ان کے کارنامے اور ان کے زوال کے اسباب پر بحث و گفتگو کی گئی ہے۔ اس لئے دلچسپ بھی ہے اور معلوماتی بھی۔ کتاب میں بہت سے نقشے بھی شامل ہیں۔ اگرچہ کتاب موضوع اور مباحث کے اعتبار سے متحدہ ہندوستان سے متعلق ہے، اس لئے نقشے بھی اسی زمانے تک محدود ہونے چاہیئے تھے، مگر پاکستان کا نقشہ بھی دیا گیا ہے اور ریاست جموں و کشمیر کو پاکستان کا حصہ دکھلایا گیا ہے۔ کتاب علمی تھی اسے علمی رہنا چاہیئے تھا۔ اس نقشے کو شامل کر کے خواہ مخواہ کتاب کو سیاست کا ایک نزاعی دستاویز بنا دیا گیا ہے۔ کتاب بہرحال قابل مطالعہ ہے اور پٹھانوں کے بارے میں غالبًا اس سے بہتر کتاب اردو میں نہ ہوگی۔ (جامعہ دہلی۔ اگست ۱۹۸۷ء)

تذکرہ

(پٹھانوں کی اصلیت اور ان کی تاریخ)

"تواریخ حافظ رحمت خانی" کی تدوین اور اس پر محققانہ حواشی کے بعد خان روشن خان کا ایک اور عظیم الشان تاریخی کارنامہ پٹھانوں کی تاریخ میں ایک اہم اضافہ

تذکرہ

پٹھان خاندانوں، ان کے اکابر و مشاہیر ان کی تاریخ اور ان کی اصل و نسل کے بارے میں حقائق و افکار کا بیش قیمت مجموعہ

تذکرہ

جس میں خان روشن خان نے مورخین کی غلط بیانیوں کا محققانہ جواب دیا ہے اور تاریخ کی تمام غلط فہمیوں کا مورخانہ انداز میں انسداد کیا ہے
اس کتاب کا مقدمہ مشہور محقق پروفیسر ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہانپوری نے لکھا ہے

دوسرا ایڈیشن نئے دیباچے اور اہم اضافوں کے ساتھ۔

اعلیٰ درجہ کا آفسٹ پیپر، بہترین کتابت، خوبصورت جلد
صفحات ۴۴۸ ۔ قیمت چوبیس روپے

ملنے کا پتہ
روشن خان اینڈ کمپنی ۔ تمباکو ڈیلرز
پھول چوک رنچھوڑ لائن جونا مارکیٹ ۔ کراچی ۲
فون نمبر ۲۲۳۰۶۲

* * * * * * * *

المشتہر :- ارشاد علی خان